جلد 1 شمارہ 7 ستمبر 1999ء جمادی اول 1420ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار

گوجرانوالہ

آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 1 شمارہ 7 ستمبر 1999ء جمادی الاول 1420ھ

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
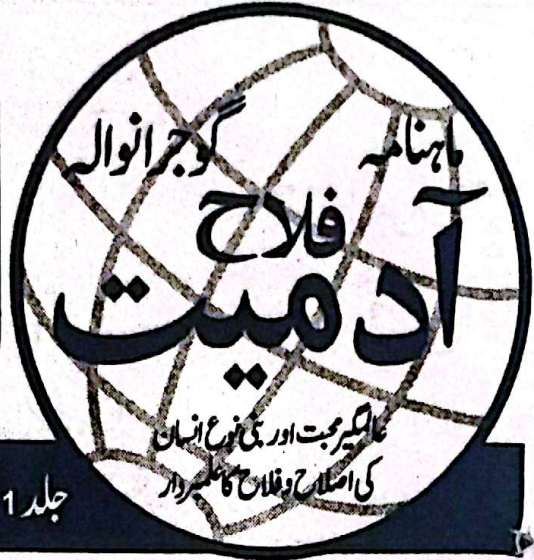
قیمت ________ -/15 روپے

سالانہ فنڈ ________ -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519

E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
اداریہ	عبدالقیوم ہاشمی	3
درس قرآن	ڈاکٹر عبدالرشید وقار	4
درس حدیث	رانا محمد اعجاز	6
رموز محبت	قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی	8
خواجہؒ کے خطوط	خالد مسعود	24
حضرت علیؓ کا دیدار	قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی	26
مذہب اسلام	بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	28
حقیقت ذکر الٰہی	سید ابوبکر غزنویؒ	35
مقصد حیات اور عشق	عبدالرشید ساہی	43
مغربی جمہوریت اور اسلام کا تصور حکومت	محمد مسعود اختر	48
کارگل کے اس پار کا وزیر	عبدالقادر حسن	54
امام شافعیؒ	ایم محمد اکرم	56
پروگرام اور تقدیر	ڈاکٹر ہلوک نور باقی	57
اللہ اکبر.. دنیا میں ہر وقت گونجنے والی آواز	وحید احمد	60
قضا نماز پڑھنے کا بیان	حافظ محمد یاسین	62

اداریہ

انسان کی فطرت پہ جو ضابطہ حیات یا دین پورا اترتا ہے وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور اسی پاک ذات کا نازل کردہ ہے۔ جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات پر ذوق و شوق اور تندہی سے عمل کیا وہی لوگ اللہ کا قرب اور محبت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ پھر یہی لوگ اللہ کی محبت کا ثبوت عملی میدانوں میں پیش کرتے ہیں۔ کوئی میدان جنگ میں اللہ کے نام پر سر کٹواتا ہے تو کوئی قلم کی جنبش سے مسلمانوں کو بیدار کرنے میں کوشاں ہے۔ کوئی اپنے مال سے اسلام کو تقویت پہنچاتا ہے تو کوئی اپنی قلبی توجہ سے طالبین میں اللہ کی محبت کو بڑھاتا ہے۔ کوئی شاعری سے سوئی ہوئی ملت کو جگاتا ہے تو کوئی وعظ و نصیحت سے دلوں کو گرماتا ہے۔ الغرض اللہ کی محبت کے نتیجہ میں وسائل و ذرائع جدا ہونے کے باوجود مقصود صرف اور صرف دین الٰہی کی سلامتی اور فروغ ہوتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی جانب سے ماہنامہ "فلاح آدمیت" کا اجراء بھی اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت اور فروغ و ترقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ ہماری بھرپور کوشش رہتی ہے کہ قارئین کو مطالعہ کے لئے ایسے مضامین کئے جائیں جو ایمان افروز اور تحقیقی ہوں اور اسلام کی پوشیدہ خوبیوں کو قارئین کے سامنے لائیں۔ گذشتہ چند ماہ کے کچھ ایسے ہی مضامین ہیں جنہیں قارئین نے پسندیدگی کی سند عطا کی ہے۔

شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کے مضامین بالخصوص نفس کی اہمیت، ابن آدم کے نام، دنیا کی محبت، عشرہ کاملہ، آیات کائنات، حصول علم اور اس کے علاوہ "مجالس فقیر" اور "خواجہؒ کے خطوط" میں بہت ہی فکر انگیز اور نصیحت آموز باتیں مجلہ کی زینت بڑھا رہی ہیں۔ سید ابوبکر غزنویؒ کے مضامین "توحید کے تقاضے" "تعلیم و تزکیہ" اور "اتباع رسول ﷺ" بے حد پسند کیے گئے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

(ڈاکٹر عبدالرشید وقار)

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفو

(الحجرات آیت نمبر ۱۳)

ترجمہ۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبائل میں تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

تشریح۔ آج کا انسان دور جاہلیت کی طرف سرپٹ دوڑ رہا ہے اگرچہ وہ بضد ہے کہ میں ترقی یافتہ دور کا فرد ہوں۔ حضرت انسان کی فکر و شعور کے اندر خود کو بلندی پر دیکھنے اور دوسروں کو پستی کی طرف لڑھکا دینے کا تصور ہمہ وقت کروٹیں لیتا رہتا ہے۔ روز مرہ کے جرائم شائد اسی ذوق کی تسکین ناتمام ہے۔ مٹی کا بنا ہوا ایک فانی انسان، مجبور و بے کس انسان جس کی زندگی ناپائیدار اور مستعار ہے جو وہ سب کچھ نہیں کر سکتا جس کی وہ خواہش کرے بلکہ اس کی زندگی اور اس کی تمام خواہشات کی تکمیل قادر مطلق کے ہاتھوں میں ہے۔

ہاں ذرا دیکھو تو سہی یہی انسان خلعت فاخرہ زیب تن کیے سر پہ تاج اقتدار و اختیار سجا کر ہاتھوں میں عصائے نخوت لے کر اکڑتا ہے اور دوسری طرف صف بہ صف کھڑے انسان سروں کو جھکائے ہوئے خوف و دہشت سے لرزاں و ترساں ذلت و رسوائی پر راضی نظر آتے ہیں۔ گویا کہ انہوں نے فرعونیت کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے۔ شاید دیکھنے والوں کو یہ المیہ طربیہ دیکھائی دیتا ہو مگر سالار انبیاء انسان کامل ﷺ نے اس طلسم تاج داری کو توڑ کر انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کر دیا۔ آپ نے انسانوں کو خدا کے آگے جھکایا اور انسان کو انسان کے ساتھ انسانوں کی طرح رہنا سکھایا۔ سب کو محترم جانا اور آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ انسانوں میں فطری طور پر اکڑ ہے اور بعض لوگوں کی اکڑ موت سے پہلے ختم نہیں ہوتی۔ خالق نے کہا تمہارے اکڑنے سے نہ تو زمین پھٹے گی اور نہ تم پہاڑ کی چوٹیوں تک پہنچ سکو گے۔

"اللہ کے پیارے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں"

دور جہالت کے عرب دیگر خرابیوں کے ساتھ ساتھ نسلی تفاخر کی بیماری میں مبتلا تھے۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور اعلیٰ خیال کرتے تھے۔ قریش کی فخر کی تو شان ہی سب سے جدا تھی۔ فتح مکہ کے بعد جب وہاں اسلامی پرچم لہرانے لگا تو حضور ﷺ نے بلال ؓ سے فرمایا۔ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔ انہوں نے ارشاد کی تکمیل کی اور اذان دینی شروع کی مکہ کے سرداروں پر الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

عتاب ابن اسید بولا خدا کا شکر ہے میرا باپ یہ روح فرسا منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔ حارث ابن ہشام نے کہا اس کالے کوے کے علاوہ کوئی اور موذن نہیں ملا۔ سہیل ابن عمرو نے کہا جیسے اللہ کی مرضی۔ ابو سفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہتا۔ ایسا نہ ہو ہماری گفتگو کی اطلاع اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو دے دے۔

نسلی تفاخر کا یہ نظریہ نہ صرف عربوں تک محدود تھا بلکہ روئے زمین کی متمدن قومیں بھی اس بیماری میں مبتلا تھیں۔ کہیں نسل پر فخر تھا اور کہیں قومیت پر اور کہیں ان کی سرزمین بڑائی اور برتری کا باعث تھی کہیں زبان اور رنگ وجہ افتخار بنے ہوئے تھے۔ اسی نظریہ نے قوموں کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے متحارب گروپوں کی شکل میں کھڑا کر دیا تھا۔ ہر قوم اپنے نسلی فخر کی وجہ سے دوسروں کو دنیا سے مٹانے کو اپنا حق سمجھتی تھی۔ ان کی دولت کو لوٹنا اور وہاں کے عوام کو اپنا غلام بنانا ان کے نزدیک ان کا پیدائشی حق تھا۔ اس شرانگیز نظریہ کے باعث جنگ و جدال کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا۔ احترام آدمیت کا لباس نام نہاد شریفوں کے ہاتھوں تار تار ہو رہا تھا۔ آج بھی وہی منظر دہرایا جا رہا ہے۔ انسانیت کی پیشانی مارے شرم کے عرق آلود ہے۔ ہمارا ہمسایہ ملک بھارت جو دنیا کی پانچویں بڑی ریاست اور جمہوری حقوق کی علمبردار بنی پھرتی ہے۔ اس کے طول و عرض میں اس بیسویں صدی میں بھی خود ساختہ اچھوت جن کو خدا نے پیدا کیا ہے اعلیٰ ذات کے ہندو سے ہاتھ نہیں ملا سکتے اس کے مندر میں پوجا پاٹ نہیں کر سکتے اس سے رشتہ ناطہ تو درکنار اس کے کنویں سے پانی بھی نہیں بھر سکتے۔ امریکہ جو تمام دنیا کے انسانوں کے جمہوری اور انسانی حقوق کا علمبردار بنا ہوا ہے اس کے اکثر ہوٹلوں کے باہر جلی حروف کے ساتھ لکھی ہوئی تختیاں لگی ہوئی ہیں جن پر یہ الفاظ درج ہیں "ریڈ انڈین اور کتے اندر داخل نہیں ہو سکتے"۔ سفید فام انسانوں کے تعلیمی ادارے الگ ہیں حبشی کو داخلہ نہیں مل سکتا۔ اس قومی برتری نے جرمن میں ہٹلر کا روپ اختیار کیا اور کروڑوں انسان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ رنگ و نسل، زبان وطنیت اور قومیت کے ان ہی بتوں کی عبادت آج بھی اسی زور و شور سے ہو رہی ہے۔ جس کی تمام بنیادوں کو اسلام نے چودہ صدیاں پہلے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔

اسی لئے خالق کائنات نے فرمایا۔ "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا اور تمہیں مختلف قبائل اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ تمہاری پہچان ہو" اولاد آدم کا بٹنا اس لئے نہیں کہ ایک خاندان یا قبیلہ دوسرے کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھے بلکہ اس لئے کہ ہم ایک دوسرے کی پہچان کر سکیں اور باہمی معاملات میں گڑبڑ پیدا نہ ہو۔

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لامرء مانوی فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا اومرءۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ "سب انسانی اعمال کا دارومدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے تو جس نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اور خدا اور رسول کی رضاجوئی و اطاعت کے سوا اس کی ہجرت کا اور کوئی باعث نہ تھا) تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ و رسول ہی کی طرف ہوئی (اور بے شک وہ اللہ و رسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو اس ہجرت الی اللہ والرسول کا مقرر اجر ملے گا' اور جو کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے نہ ہو گی) بلکہ کسی دوسری غرض اور نیت سے اس نے ہجرت اختیار کی بس اس کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔"

اس حدیث مبارکہ کا ترجمہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے وہ خود مطلب خیز ہے۔ اس سے مراد کہ صرف وہی عمل قابل قبول ہے جو خالصتاً اللہ تعالٰی کے لئے ہو۔ حدیث کا اصل مقصد امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کی اصلاح و فساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے یعنی صالح وہی ہو گا اور اس کی اللہ تعالٰی کے یہاں قدروقیمت ہو گی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو اور جو عمل صالح کسی بری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہو گا نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہو گا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ رب العزت عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے۔ اس کے یہاں ہر عمل کی قدروقیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائے گی۔ کسی کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے کہ جب دارومدار نیت پر ہے تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالح ہو جائیں گے اور ان پر بھی ثواب ملے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل ہو گا اس سے وہ

غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا ایسا ہرگز نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو کام برے ہیں اور جن سے اللہ اور رسول نے منع فرمایا ہے ان میں حسن نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو بہر حال قبیح اور موجب غضب الہی ہیں بلکہ ان کے ساتھ اچھی نیت کرنا اور ان پر ثواب کی امید رکھنا شاید مزید گناہ کا باعث ہو کیونکہ یہ اللہ کے دین کے ساتھ ایک قسم کا مذاق ہو گا بلکہ حدیث کا منشا اعمال صالحہ کے متعلق یہ بتلانا ہے کہ وہ بھی اگر کی بری نیت سے حاصل کئے جائیں گے تو پھر وہ اعمال صالحہ نہیں رہیں گے بلکہ بری نیت کی وجہ سے ان کا انجام بھی برا ہو گا۔ مثلاً" جو شخص نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتا ہوں اور جس کو ہم اعلیٰ درجہ کا عمل صالح سمجھتے ہوں وہ اگر یہ خشوع و خضوع اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کی دینداری اور خدا پرستی کے متعلق اچھی رائے قائم کریں اور اس کا اعزاز و کرام کیا جائے۔ تو اس حدیث مبارکہ کی رو سے اس کی خشوع و خضوع والی نماز اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی قدر و قیمت کی حامل نہیں۔

ایک اور مثال جو اس حدیث مبارکہ میں دی گئی ہے کہ اگر ایک شخص دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرتا ہے اور اس کے لئے ہجرت کی ساری مصیبتیں برداشت کرتا ہے لیکن اس کی غرض اس ہجرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی نہیں بلکہ کوئی اور دنیاوی غرض پوشیدہ ہے۔ مثلاً" دار الہجرت میں رہنے والی کسی عورت سے نکاح کی خواہش ہو جو اس کی ہجرت کے باعث ہو تو یہ ہجرت ہجرت اسلام نہیں ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ الٹا نقصان ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہی عمل خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں قابل قبول ہے جو خالصتاً" خدا تعالیٰ کے لئے ہو۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ایک اطلاع

ہمارے کراچی کے بزرگ بھائی سید محمد ادریس شاہ صاحب کی ہمشیرہ اور بیٹی اور جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کے بھائی سید اذن علی شاہ صاحب کے سسر وفات پا گئے ہیں۔ سب بھائی مرحومین کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔

رموز محبت

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

محبت کا جذبہ ہی تخلیق عالم کا اصل سبب ہے اور اس کی اعلیٰ ترین صورت انسان ہے۔ انسانی روح وجود میں آنے کے ساتھ ہی اپنے رب سے محبت کرتی ہے۔ بلکہ اس ابتدائی حالت میں محبت اور عبودیت کے سوا کوئی دوسری صفت اس میں پائی ہی نہیں جاتی۔ البتہ دوسری صفات کو اپنے اندر جذب کرنے کی اہلیت موجود ہوتی ہے۔ عالم بالا میں انسانی روح سے لیا جانے والا میثاق الست محبت کا عہد و پیمان ہی تو تھا تاکہ انسان دنیا میں جا کر محبت اور عبودیت کے جوہر کو ضائع نہ کر دے۔ اس وقت محبت کا یہ جوہر ابتدائی کیفیت میں تھا اور اس کی تکمیل زمینی زندگی کے دوران' معرفت کا طویل اور کٹھن سفر طے کرنے کے بعد ہونا تھی۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وفی الارض ایت للموقنین O وفی انفسکم افلا تبصرون O (ذاریات 20 اور 21)

"اور زمین میں اہل یقین کے لئے میری نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے اپنے نفسوں کے اندر بھی۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے ہو"

روحانی عالم میں انسانی روح کی اللہ کے ساتھ محبت کی مثال ایک ننھے منے بچے کے پیار کی سی ہے جو وہ اپنے باپ سے کرتا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس کے ساتھ لپٹ کر سکون و قرار محسوس کرتا ہے۔ بچے کی یہ محبت بالکل معصوم اور خام ہوتی ہے۔ کیونکہ چھوٹی عمر میں وہ اپنے باپ کے روحانی' ذہنی' علمی' معاشی اور معاشرتی رتبہ سے قطعاً" واقف نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا باپ دنیا کا ایک مانا ہوا عالم' ڈاکٹر' انجینئر' سائنسدان یا روحانی رہنما ہو لیکن ان حقائق کا ادراک تو اسے عمر اور تجربے کی پختگی کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ان مراحل سے گذرنے کے بعد ہی وہ بچہ اپنے باپ کی شخصیت اور اس کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو گا اور اس کی حقیقی عظمت کا معترف ہو سکے گا۔ بچہ جب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے ظاہری اعضاء اور باطنی قویٰ اگرچہ صحیح و سالم ہوتے ہیں لیکن وہ پیدا ہوتے ہی ان سب سے پوری طرح کام نہیں لے سکتا۔ ہاتھ پاؤں سے کام لینے کے لئے کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے پھر اس کا ذہنی اور علمی سفر الف بے سے شروع ہو کر قدم قدم آگے بڑھتا جاتا ہے اور پھر وہ پیچیدہ علوم اور دقیق حقائق سمجھنے اور پیشہ وارانہ مہارت حاصل کرنے کے

قابل بن جاتا ہے۔ انسان کی روحانی قوتیں اور باطنی لطائف بھی اسی طرح بتدریج ترقی کرتے ہیں اور آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب میں آگے بڑھتا ہوا اس کی ذات کا دیدار بھی حاصل کر سکتا ہے۔ دنیا کی زندگی کے دوران ہمہ جہتی جدوجہد کرنے ہی سے اللہ کی عطا کردہ صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ جو انسان ایمان کی بدولت اپنی سمت درست کر لیتا ہے وہ اس زمین کی اوپن یونیورسٹی کی رنگین فضاء اور دلکش ماحول سے دل لگانے اور یہاں کی مادی لذتوں میں کھو جانے کی بجائے اپنی زندگی کے حقیقی مقصود یعنی قرب رضائے الٰہی کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے انسان بجا طور پر ہر چیز کی حقیقت معلوم کر کے اسے اپنی خدمت میں لگا رہنے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔
جب انسان کرہ ارض پر جلوہ افروز نہیں ہوا تھا تو زمین کی رنگین بہاریں کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنتی تھیں۔ پھولوں کے رنگوں اور ان کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونے والا کوئی نہ تھا۔ خوشبو فضاؤں میں بکھر کر پریشان ہوتی اور پتیاں بکھر کر خاک میں ملتی رہیں۔ نہ کوئی پھول اپنے حسن اور مہک سے آشنا تھا نہ ہی وہ پودا جس پر وہ کھلتا تھا اس کی نزاکت سے باخبر تھا۔ ہزاروں ذائقہ دار اور خوش نما رنگوں والے پھل زمین پر بکھر کر ضائع ہوتے رہے لیکن ان کی خوبیوں کی قدردانی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ الغرض حسن کے جلوے سے نیلگوں جھیلوں' فلک بوس پہاڑوں' خوش الحان پرندوں' خوبصورت چرندوں' امڈھتی گھٹاؤں' عطر بیز ہواؤں' سحر انگیز آبشاروں' ٹمٹماتے ستاروں' نور برساتی کہکشاؤں اور وسیع و عریض فضاؤں کی صورت میں چار سو پھیلے ہوئے تھے لیکن کوئی اہل نظر انہیں محبت کی نگاہ سے دیکھنے والا نہ تھا۔ اللہ کے جمال کے پرتو پر فدا ہو جانے والا کوئی صاحب دل موجود نہ تھا۔ فطرت کی قوتیں صدیوں سے منتظر تھیں کہ کوئی آ کر ان پر حکمرانی کرے۔ حسن کی یہ بے قدری اس لئے تھی کہ ابھی عشق وجود میں نہیں آیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا اور اسے حقیقت بین آنکھیں' سرمدی نغموں سے رمز آشنا کان' حقیقت کے لئے متجسس دماغ اور حسن کے لئے دیوانہ دل عطا فرمایا۔ تاکہ وہ دنیا میں صفات کے پردوں میں چھپی ہوئی اللہ کی آیات کو پہچان کر آگے بڑھتا ہوا قرب کے اس مقام تک پہنچ جائے جہاں فرشتے بھی پر نہیں مار سکتے۔ علامہ اقبالؒ پیام مشرق میں میلاد آدم کے ذکر میں انسان کی شان اس طرح بیان کرتے ہیں۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور
خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد
خبرے رفت زگردوں بہ شبستان ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
آرزو بے خبر از خویش با آغوش حیات
چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

یعنی عشق نے نعرہ لگایا کہ خونیں جگر پیدا ہوا۔ حسن کا جسم شوق سے کانپ اٹھا کہ صاحب نظر پیدا ہوا۔ فطرت تڑپ اٹھی کہ اس مجبور جہان کی مٹی سے خود کو بنانے والا خود کو بگاڑنے والا اور خود اپنے اندر دیکھنے والا پیدا ہوا۔ آسمان سے شبستان ازل تک یہ خبر پھیل گئی کہ پردوں میں چھپنے والو ہوشیار رہو کہ پردہ در پیدا ہوا۔ آرزو اپنے آپ سے بے خبر زندگی کی گود میں سو رہی تھی۔ اس نے آنکھ کھولی اور ایک نیا جہان پیدا ہوا۔ زندگی نے کہا کہ میں ایک عمر خاک میں تڑپی ہوں تب کہیں جا کر اس پرانے گنبد یعنی آسمان میں در پیدا ہوا ہے"

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات میں بنی آدم کو جو مقام عطا فرمایا اس کی ذمہ داریاں نباہنے کے لئے ہمیں اجتماعی طور پر سوچنا چاہئے کہ کیا انسان کو تعمیر و تسخیر کی یہ گوناگوں صلاحیتیں محض اس لئے عطا کی گئی تھیں کہ یہ بھی دوسرے حیوانوں کی طرح پیٹ کھائے' گھر بسائے' بچے جنے اور مرجائے؟ کیا اسے جسمانی طاقت بڑھانے کے لئے پیدا کیا جبکہ انسان سے کئی گنا طاقتور حیوان پہلے ہی سے موجود تھے؟ کیا اسے سمندروں میں تیرنے اور غوطہ زن ہونے کے لئے بنایا حالانکہ یہ اہلیت سمندری مخلوق میں بدرجہ اتم موجود تھی؟ کیا اس لئے ہوا میں اڑنے کا کام لینا مطلوب تھا جب کہ مکھیاں' مچھر اور پرندے یہ کارنامہ بخوبی سرانجام دے رہے تھے۔ یقیناً" ان سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ اسی انداز میں مزید آگے سوچیں تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انسان کو تسبیح و مناجات کے لئے بھی نہیں

پیدا کیا گیا کیونکہ یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض سے ثابت ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے ہمہ وقت اللہ کی تسبیح کرنے میں مشغول ہے۔ انسان کو اپنے سامنے سر بسجود ہونے کے لئے بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ والنجم والشجر یسجدان اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جڑی بوٹیاں' پودے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموت والارض والطیر صفت کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ (النور۔41)

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے بھی۔ سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں"

ان آیات مقدسہ سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ انسان کی تخلیق کا مقصد ان امور سے یقیناً اعلیٰ اور ارفع ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے احسن تقویم سے خلق فرما کر مسجود ملائکہ بننے کا جو عظیم شرف عطا فرمایا تو اس کے ذمے لگایا جانے والا کام بھی کوئی اشرف ہی ہونا چاہئے۔ کوئی ایسا منفرد کام جسے دوسری کوئی مخلوق انجام دے ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے برتر شعور کی بناء پر اپنے ارادے اور اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کی محبت کی ضمانت کو سنبھالنا تھا۔ یہی وہ گراں بار اور جرات آزما ذمہ داری تھی جسے کوئی بھی اٹھانے کو تیار نہ تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

انا عرضنا الامانہ علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا ۞ لیعذب اللہ المنفقین والمنفقت والمشرکین والمشرکت ویتوب اللہ علی المومنین والمومنت وکان اللہ غفورا رحیما۞ (الاحزاب۔ آخری آیات)

"ہم نے بار امانت زمین' آسمانوں' اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور مہربانی کرے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر اور اللہ تو بخشنے والا اور مہربان ہے"

ان آیات میں بیان کی گئی امانت کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں لیکن غور و فکر کرنے سے یہی بات کھلتی ہے کہ محبت کے سوا اس کی کوئی دوسری تعبیر مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اوامر و نواہی کی پابندی کو بار امانت تصور کیا جائے تو اس سے تو کائنات کی کوئی چیز خالی نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم کے مطابق ہر شے خوشی سے فرماں برداری کر رہی ہے اس کے علاوہ مندرجہ بالا آیات میں جو "انکار کیا اور ڈر گئے" کے الفاظ آئے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس امانت کے اٹھانے میں کسی بھاری آزمائش کا خطرہ تھا جس سے سب ڈر گئے۔ لیکن اس مشت خاک نے خطرات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور انجام سے بے پرواہ ہو کر اسے اٹھا لیا کیونکہ اسے پیدا ہی اس امانت کے لئے کیا گیا تھا۔ شعور اور اختیار کی دولت سے جنس محبت کا خریدار بننے پر ہی انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ محبت کی یہ دولت بے بہا اللہ رب العلمین کی امانت ہے۔ جو انسان عہد الست پر پورا اترے اور محبت کی امانت کا حق ادا کرے وہی صادق و امین کہلوانے کا حق رکھتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ حضور خاتم النبین ﷺ اعلان نبوت سے پہلے ہی ان دو معزز ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ جن انسانوں نے اللہ کی ربوبیت اور الوہیت کا اقرار کرنے کے بعد دل میں کسی دوسرے کا پیار بسا لیا وہ منافق ٹھہریں گے اور جنہوں نے اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنی محبت میں شریک بنا لیا وہ مشرک قرار دئے جائیں گے۔ انسان کی اس سے بڑی جہالت کیا ہو گی کہ وہ اس عظیم دولت کے مصرف ہی کو نہ سمجھ سکے اور یہ دل جو اللہ کا گھر ہے اس میں کسی دوسرے کو بسا لے۔ یا پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بے مثل ذات سے تعلق رکھنے کے باوجود غیر اللہ سے امیدیں وابستہ رکھے اور ان سے بھی اللہ جیسی محبت کرے۔ یہ بات شرک کہلاتی ہے اور قرآن مجید میں شرک کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے۔ انسان کی کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ جہالت دور کر کے محبت کے تقاضوں کو سمجھے اور اسے غلط مقام پر خرچ کر کے مشرک اور ظالم نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ ایمان کی بنیاد ہی اللہ سے شدید محبت ہے۔

ومن الناس من يتخذ من دون الله اندادا يحبونهم كحب الله والذين امنوا اشد حبالله (البقرۃ۔ 65)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ اللہ ہی سے شدید محبت کرتے ہیں"

اس آیت مبارکہ میں ایمان والوں کی علامت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اخلاص کے اس اعلیٰ مقام کے حصول کے لئے انسان کو اپنے نفس کے خلاف سخت جہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسے اپنے دل کی خلوت گاہ پر خود احتسابی کا کڑا پہرہ لگانا پڑتا ہے کہ اللہ

کے سوا کسی غیر کا اس میں داخلہ نہ ہونے پائے۔ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب و معبود کی رضا پر قربان کئے بغیر اس کے قرب کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ بندہ مومن کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی محبت کے لئے کیا ہے اس لئے اللہ کے دین کا پورا نظام اللہ کی محبت کے گرد ہی گھومتا ہے۔ اسلام میں زبانی' بدنی اور مالی عبادات اور معاشرتی معاملات اللہ کی محبت کے سایہ ہی میں ادا کئے جاتے ہیں۔ اللہ کی ساری مخلوق کی خدمت بھی اللہ کی محبت کی خاطر ہی کی جاتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ دنیا میں دین حق لے کر آئے جس میں ہر سو اللہ کی محبت اور اطاعت کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ امت مسلمہ بھی اللہ کی طرف سے اس امر کی پابند ہے کہ دنیا سے کفر و شرک اور ظلم و استحصال کے نظام کو ختم کر کے وحدت الوہیت اور وحدت انسانیت کے حامل آئین کا نفاذ کرے۔ الغرض یہ اللہ کا عشق ہی ہے جو انسان کو حقیقی راہنمائی عطا کرتا اور وہ نور مہیا کرتا ہے جس کی روشنی میں اس کی روحانی' ذہنی اور جسمانی جدوجہد درست سمت میں آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بقول حکیم الامتؒ

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات

اللہ کے عشق کی فرمارروائی دیکھنے کے لئے ہم ارکان اسلام کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے کے لئے کلمہ طیبہ پڑھنا پڑتا ہے جو کہ اللہ کی محبت کے ازلی عہد الست کی تجدید ہے اس کے بعد ایک مومن کی محبت اور اطاعت کا مرکز اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بن جاتے ہیں۔ ان کے احکام کے مقابلہ میں وہ اپنی خواہشات اور رجحانات سے مکمل طور پر دستبردار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دو ٹوک لفظوں میں فرمادیا ہے کہ ہم نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ (توبہ۔ ۱۱۱)

اس رضاکارانہ خود سپردگی کے معاہدہ کے بعد مومن کی پوری زندگی آئین خداوندی کی پابند ہو جاتی ہے۔ اس پابندی کی وجہ ہی سے حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا کی زندگی کو مومن کے لئے قید خانہ کی مانند قرار دیا ہے۔ یہ پابند زندگی مومن کی غیر اللہ اور نفس کی غلامی سے بچا کر حقیقی آزادی

سے روشناس کراتی ہے کیونکہ من مرضی کرنے اور نفس کی غلامی والی آزادی آخر کار بربادی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ کی اطاعت یعنی اسلام میں داخل ہونے والوں پر کچھ اعمال کا بجالانا فرض قرار دیا گیا ہے۔ انہیں ارکان اسلام کہا جاتا ہے۔ ان ارکان کی پابندی اسی لئے لازمی ہے کیونکہ ان سے اللہ کی محبت اور آخرت کی حقیقی زندگی کو ترجیح دئے رکھنے اور اللہ کے قرب کی راہ میں بڑھتے چلے جانے میں مدد ملتی ہے۔ سب سے پہلے اہم ترین اور ہر روز ادا کی جانے والی عبادت نماز پر غور کیجئے۔ نماز بندہ مومن کو دن میں پانچ مرتبہ اپنے گھربار' کاروبار' بال بچوں' نرم و گرم بستر اور میٹھی نیند کو ترک کر کے اللہ کی محبت کو ترجیح دینے کی مشق کراتی ہے۔ مومن اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی عبدیت اور اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کا عملی مظاہرہ کرتا ہے اور زندگی کے مقصود کے حصول کے لئے اللہ سے مدد طلب کرتا رہتا ہے تاکہ وہ بھی انعام پانے والوں میں داخل ہو جائے۔ اسی لئے نماز کو مومن کی پہچان' قرب و محبت کے لئے معراج اور اللہ کی رضا کے مقام یعنی جنت کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح روزہ اللہ کی محبت کی خاطر کھانا پینا چھوڑ دینے اور اللہ کی ناپسندیدہ نفسانی خواہشات ترک کر دینے کی جدوجہد کا سالانہ کورس ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا۔ مومن جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کے لئے اپنی جائز اور حلال کمائی میں سے زکوٰۃ و صدقات ادا کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کی محبت کے مقابلے میں مال و دولت کی محبت کو پامال کر دیتا ہے۔ اسلام کا عالمگیر رکن حج تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک عظیم اور اجتماعی مظہر ہے جس میں کرہ ارض کے کونے کونے سے اللہ کی محبت کے دیوانے اپنا سب کچھ چھوڑ کر' لباس سمیت تمام معمولات زندگی ترک کر کے' فقیرانہ وضع و قطع والا احرام پہن کر بیت اللہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ اللہ کی محبت سے سرشار اس کے گھر کا پروانہ وار طواف کرتے اور قلبی جذبات کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ "ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم تیری خاطر حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہیں کہ تیری محبت میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہم سب کچھ چھوڑ کر حاضر ہیں۔ حمد و ثنا تیرے لئے ہے۔ نعمتیں تیری ہیں اور بادشاہی تیرے لئے ہے۔ کوئی تیرا شریک نہیں" اسلام میں تمام اعمال کی بنیاد انسان کی نیت پر رکھی جاتی ہے۔ ان فرض عبادات کی قبولیت اور ان کے اجر و ثواب کا انحصار خلوص نیت پر ہے۔ یعنی اعمال کی روح اخلاص یعنی اللہ کا پیار ہے۔ ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر بھی ہو سکتا ہے لیکن جو نمازیں اللہ کی محبت سے خالی صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے ادا کی جا رہی ہوں ان کے بارے میں قرآن کا فیصلہ ہے۔ فویل

للمصلین O الذین ھم عن صلاتھم ساھون O ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں۔ اسی طرح وہ روزہ جو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے رکھا جائے اللہ کی محبت کے سبب اتنا اعلیٰ و ارفع عمل بن جاتا ہے کہ اللہ بذات خود اس کے اجر کا تعین فرماتا ہے۔ یہی روزہ جب اس جذبہ سے خالی ہو تو اسے روزہ دار کے منہ پر مار دیا جاتا ہے اور اسے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ صدقات و خیرات سے اگر رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو تو وہ بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی یعنی اپنے صدقات کو مساکین پر احسان جتلا کر اور انہیں ایذا پہنچا کر ضائع نہ کرو۔

حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اگر میرا کوئی صحابی ایک مد یعنی چند کلو جو کے دانے صدقہ میں دے اور کوئی غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو اللہ کے ہاں اس ایک مد جو کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔ اس عظیم فرق کی صرف ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے رنگ میں رنگے جاچکے تھے اور ان کے صدقہ کئے جانے والے جو کے ایک ایک دانے پر اللہ کی محبت کی مہر ثبت تھی اور کوئی غیر صحابی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم کے بے مثال خلوص کے اعلیٰ اعزاز میں جو انہیں حضور ﷺ کی صحبت سے عطا ہوا تھا شریک نہیں ہو سکتا۔ تمام اعمال کا ایک ظاہری ڈھانچہ بھی ہوتا ہے لیکن ان سب کی روح اللہ کی محبت ہے اور اس جذبہ کے مطابق ہی اعمال کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں قربانی کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ کے پاس نہ تو ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی خون لیکن تمہارے دل میں جو تقویٰ ہے وہ پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں پر نہیں بلکہ ہمارے دلوں پر نظر رکھتے ہیں۔ اس کے ہاں کمیت کی بجائے کیفیت کو نوازا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بظاہر چھوٹے چھوٹے اعمال اگر اللہ کی محبت سے بھرپور ہوں تو نور علیٰ نور ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بڑے بڑے اعمال سے اگر ریا، نمائش اور شہرت مطلوب ہو تو وہی کارنامے مردود و مغضوب ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

انسان اگر اپنی زندگی کے مقصد کو فراموش کردے تو اس کی محبت کا مرکز اللہ کی بجائے مال اور اولاد بن جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان دونوں نعمتوں کے بارے میں انتباہ کرتے

ہوئے فرمایا۔

انما اموالکم واولادکم فتنہ واللہ عندہ اجر عظیم (التغابن ۔ 15)

"بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے"

اس کائنات' حیات ارضی اور انسان سے متعلقہ حقائق کو تسلیم کرلینا ہی ایمان کی روح ہے۔ جس انسان کے دل میں ایمان داخل ہو جاتا ہے وہ دنیا کی زوال پذیر اور عارضی نعمتوں سے پیار کر ہی نہیں سکتا۔ محبت کے لئے اس کی نگاہ انتخاب اللہ کے سوا کسی اور طرف اٹھ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر نعمت اور خیر و برکت صرف اسی کے دست قدرت میں ہے۔ اس دنیا میں آنے سے پہلے' ماں کے پیٹ میں اور اس زندگی میں ہر جگہ اور ہر لحظہ صرف اللہ کی ذات ہی انسان کے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ اور آخرت میں بھی صرف اللہ ہی اس کے کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان نہ تو کبھی اپنے محبوب کو فراموش کرے اور نہ ہی اپنے ہدف کو نگاہوں سے او جھل ہونے دے۔ اسی لئے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد باقاعدگی کے ساتھ نماز ادا کرنے اور ہروقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طریقہ کے مطابق اگر زندگی بسر کی جائے تو آہستہ آہستہ بندہ بھی مولا صفات بن جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کا رنگ اس پر چڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے تخلقوا باخلاق اللہ "یعنی اپنے اندر اللہ کے سے اخلاق پیدا کرو" چونکہ حضور ﷺ کی ذات خلق عظیم کے مقام پر فائز اور اللہ کی صفات کی مثالی مظہر تھی اس لئے آپ کو پوری انسانیت کے لئے کامل ترین عملی نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ جس کسی کو میری محبت مطلوب ہو وہ میرے حبیب ﷺ کا اتباع کرے۔ جو میرے حبیب ﷺ کے رنگ میں رنگا جائے' جو میرے رسول ﷺ سے محبت کرے گا اور اس کے خلق عظیم کو اپنا کر خود بھی سراپا جمال اور مجسم رحمت بن جائے گا' جو نبی کریم' رؤف و رحیم کے اتباع میں گالیاں دینے والوں کو دعائیں دینے اور راستہ میں کانٹے بکھیرنے والوں کی دستگیری کرنے لگے گا میں اس سے بھی محبت کرنے لگوں گا۔ میرے محبوب ﷺ کا حسن جس میں نظر آئے گا میں اسے اپنا بنا لوں گا۔ کیونکہ جو بھی ان کے حسن کا عاشق ہو جاتا ہے وہ خود بھی ان کے حسن کا مظہر بن جاتا ہے۔ حکیم الامت ؒ فرماتے ہیں۔

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مال اور اولاد کو آزمائش اور امتحان اسی لئے قرار دیا ہے کہ ان دونوں کی محبت انسان کو اللہ کی محبت سے دور کر سکتی ہے۔ ان کا ہونا اور نہ ہونا' کم ہونا اور زیادہ ہونا' چھن جانا اور مل جانا سب اللہ کی محبت کا امتحان ہوتا ہے۔ امتحانات ہمیشہ اگلے درجوں میں ترقی دینے کے لئے لیے جاتے ہیں۔ امتحان کے ذریعے امیدواروں کے معیار اور صلاحیت کی پرکھ ہو جانے کے علاوہ ان کی درجہ بندی بھی ہو جاتی ہے اور انہیں اپنی حیثیت اور مرتبہ کا پتہ چل جاتا ہے۔ اگرچہ دولت اور عزوجاہ کی آزمائش غربت اور تنگدستی سے زیادہ مشکل ہوتی ہے اور اس میں گمراہی کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے لیکن ہماری سوچوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کتاب مقدس میں کچھ ایمانی پرچوں کی تفصیل اور ان کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔

ولنبلونکم بشیی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصبرین O الذین اذا اصابتهم مصیبه قالوا انا لله وانا الیه راجعون O اولیک علیهم صلوت من ربهم ورحمه واولیک هم المهتدون O (البقرۃ 155 تا 157)

"اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے اور آپ ﷺ خوشی سے برداشت کرنے والوں کو بشارت سنا دیں۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان پر جب بھی کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں اور رحمت ہوتی ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں" اللہ کی محبت کا طالب اور سچا مومن تو پہلے ہی اپنے مال و جان سے دستبردار ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اس بات پر بھی پختہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مصائب کے ذریعے مجھے تکلیف دینا نہیں چاہتا بلکہ ان آزمائشوں کے ذریعے میرے اندر اعلیٰ اوصاف پیدا کر کے اپنی نعمتوں کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح فوج کے زیر تربیت افسران اپنی ٹریننگ کے دوران کڑی سے کڑی مشقت کمیشن ملنے کی امید پر خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہمیں کسی غلطی کی سزا دینے کی خاطر ان کٹھن مرحلوں سے نہیں گذارا جا رہا بلکہ ہماری شخصیتوں کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کے لئے خصوصی قسم کی مشکلات اور رکاوٹوں پر مشتمل یہ تربیتی کورس مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر وہ مطلوبہ اہلیت جو ملکی دفاع کی اہم ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے ناگزیر ہے

ہمارے اندر پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ایک مومن اللہ کی محبت کی راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو اللہ کی نعمت جانتے ہوئے ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ اخلاق و کردار کا یہ خصوصی معیار اور منفرد انداز فکر انہی لوگوں کا حصہ ہے جن کے دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر باقی ہر شے سے بے نیاز ہو چکے ہوں۔ حضرت حکیم الامتؒ بندہ مومن کی کیفیت اس طرح قلمبند فرماتے ہیں۔

ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند
ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم
کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند

بندہ مومن دنیا میں بھرپور زندگی بسر کرتے ہوئے مال و اسباب کے حصول کے لئے اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن ان کی خاطر پریشان ہونا اس کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کا دل اللہ کی اس یقین دہانی پر مطمئن ہوتا ہے کہ کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا نہیں ہے مگر اسے رزق پہنچانا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ (سورۃ ھود۔ 6) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس کی تسکین کا باعث بنتا ہے کہ بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق جمع کر کے ساتھ ساتھ اٹھائے نہیں پھرتے' اللہ ہی انکو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (العنکبوت۔ 60) اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ اس کے پائے استقلال میں کبھی لرزش نہیں دیتی کہ ہر انسان کو اس کی قسمت کا رزق مل کر رہتا ہے اور کسی انسان کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ دنیا سے اپنا مقررہ رزق کھا نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کا سچا طالب اس حقیقت کو بھی اپنے ذہن میں رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت کسی فرد کو وافر اور کھلا رزق عطا فرماتے ہیں کسی کو نپا تلا اور کسی کو بعض اوقات ضروریات سے بھی کم رزق عطا فرماتے ہیں وہ اپنے آقا کی حکمت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اپنے مقدر کی روزی پر خوش رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کے متلاشیوں کی راہنمائی اور ان کے دلوں کو تقویت پہنچانے کی خاطر قرآن کریم میں تقسیم رزق کی حکمت ظاہر کرنے کے لئے جو آیات نازل فرمائیں ان میں سے چند ایک یہاں درج کی جاتی ہیں تاکہ اللہ کے بندے طول امل' ہوا و ہوس اور اونچے معیار زندگی کی حرص کے شیطانی پھندوں سے نکل کر فقر مصطفیٰ ﷺ پر فخر کرنا سیکھیں اور اپنے نفس کی پیروی سے نجات حاصل کر کے حضور ﷺ کے اصحابہؓ کی مانند اللہ کی رضا کے حصول اور اس کی مخلوق کی خدمت

اور اصلاح کے کام کو اپنی زندگی کا مشن بنا کر جینا سیکھیں۔

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق O (النحل ۔ 71)

"اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے"

وجعلنا بعضکم لبعض فتنہ اتصبرون وکان ربک بصیرا (الفرقان ۔ 20)

"اور ہم نے تمھیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم اسے خوشی سے برداشت کرو گے اور تمہارا رب دیکھنے والا ہے"

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون O (الزخرف ۔ 32)

"ہم نے ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لیں اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے"

ایک مومن کی عقل سلیم ان حقائق اور حکمتوں کو تسلیم کر لیتی ہے اور اس کا قلب سلیم رزق کی الٰہی تقسیم پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ اس زندگی کی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے اس لئے وہ دنیوی آسائشوں کو سمیٹنے کی دوڑ میں دیوانہ نہیں ہو جاتا کہ اپنی ساری توانائی اور صلاحیت اسی میں کھپا دے۔ وہ اللہ کے پیار اور دیدار کو اپنی منزل بنا لیتا ہے اور دنیا کی عارضی نعمتوں سے بے نیاز ہو کر اللہ کے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر ہی قناعت کر لیتا ہے۔ ایسے صابر بندوں کے بارے میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتے ہیں۔

تلک دارالاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبہ للمتقین O (القصص ۔ 83)

"وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں نہ تو بڑا پن چاہتے ہیں اور نہ اس وجہ سے فساد کرتے ہیں اور بہتر انجام تو متقین کے لئے ہے"

- تقویٰ سے مراد دنیا اور مافیہا کی محبت سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ تاکہ اللہ نے انسان کو اپنی محبت کی جو خلعت خاصہ پہنائی ہے وہ خار زار حیات میں پیش آنے والے فتنوں میں الجھ کر داغدار یا تار تار نہ ہو جائے۔ متقین سے مراد وہی لوگ ہیں جو مال و دولت کی ہوس اور اہل و عیال کی محبت کو اپنے مولا کی رضا کی راہ میں ہرگز حائل نہیں ہونے دیتے۔ علامہ اقبالؒ دور حاضر کی مادہ پرست

تہذیب کے نظام تعلیم کی معاشی بھول بھلیوں اور جھوٹے معیار زندگی کی فریب کاریوں سے بچنے کے لئے مومن کو محبت کے جنون کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش
اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

اللہ کی محبت کا حصول انسان کی زندگی کا مقصود ہے۔ اس منزل تک رسائی کے لئے روح کو جو قوت درکار ہے اس کے لئے غذا اللہ کے ذکر سے ملتی ہے اور اس قدسی پرواز کے لئے نماز اور قرآن کریم کی تلاوت دو پروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو امور اس قوت پرواز میں کوتاہی کا سبب بنتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انتباہ فرمادیا۔

یایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخسرون ○ (المنافقون۔ 9)

"اے اہل ایمان تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے اور جو ایسا کریگا تو وہ لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں"

انسان کا کمایا ہوا مال تو ادھر ہی رہ جاتا ہے۔ اس پر اس کے پیارے پیارے رشتہ دار قبضہ کر لیتے اور موج اڑاتے ہیں لیکن روز قیامت کمائی کا حساب اسے دینا پڑتا ہے۔ جن کی خاطر انسان اللہ کو بھول کر دنیا میں غرق ہو جاتا ہے وہ اگرچہ روز حساب سب وہاں موجود ہوں گے لیکن سارے جگری دوست' جاں نثار ساتھی اور قریبی رشتہ دار اس سے نظریں پھیر جائیں گے۔ وہاں صرف اللہ سے محبت کرنے والے اہل ایمان کی دوستی بدستور باقی رہے گی کیونکہ انکی باہمی محبت محض اللہ کے لئے تھی۔ جن رشتوں ناتوں کی بنیاد صرف دنیا کی زندگی کے مفادات پر قائم ہے وہ نہ صرف ساتھ چھوڑ جائیں گے بلکہ الٹا ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ کیونکہ جب دنیا ہی باقی نہ رہے گی تو وہم و گمان کے تراشے ہوئے یہ بت کیونکر باقی رہ سکیں گے۔ اسی لئے قرآن میں دنیا کی زندگی کو متاع غرور یعنی دھوکے کا سودا قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میدان حشر میں دنیوی رشتوں اور مال و متاع کی بے چینی اور بے قدری کا منظر قرآن کریم کی چند آیات کے ذریعے ہمیں دکھاتے ہیں تاکہ ہم اللہ کی محبت کی نعمت کے قدر دان بنیں۔

ولا یسئل حمیم حمیما ○ یبصرونھم یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیہ ○ وصاحبتہ واخیہ ○ و فصیلتہ التی تویہ ○ ومن فی الارض جمیعا ثم ینجیہ ○ (المعارج۔ 10 تا14)

"اس دن کوئی دوست کسی دوست کا پرسان نہ ہو گا حالانکہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ گنہگار خواہش کریگا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب سے چھوٹ جائے اور بدلے میں دے ڈالے اپنے بیٹے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور خاندان جس میں وہ رہتا تھا اور سارے اہل زمین کو دیکر اپنے آپ کو چھڑالے"

یوم یفر المرء من اخیہ ○ وامہ وابیہ ○ وصاحبتہ وبنیہ ○ (عبس 34 تا 36)

"اس دن انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے"

الا خلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین ○ (الزخرف۔ 67)

"جو یہاں آپس میں دوست ہیں اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے مگر متقین باہم دوست ہی رہیں گے"

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا دستور انسان کو اس بے ثبات دنیا اور بے وفا رشتوں کی محبت میں پھنسنے کی بجائے اللہ کی پائیدار محبت کا درس دیتا ہے۔ اللہ جو انسان کا خالق اور رحیم و کریم آقا ہے جو سراپا رحمت ہے اور ہر انسان کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آئین کے تحت بھرپور زندگی بسر کرتے ہوئے بھی انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح انسان کو عطا کیا جانے والا خصوصی جوہر اللہ کی محبت کی آگ میں تپ کر زر خالص بن جاتا اور اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ بقول اقبالؒ

مس خامے کہ دارم از محبت کیمیا سازم
کہ فردا چوں رسم پیش تو از من ارمغاں خواہی

اے اللہ میرے پاس جو خام تانبا موجود ہے اسے میں محبت کی آگ میں ڈال کر کیمیا بنا رہا ہوں۔ تاکہ کل قیامت کے روز آپ کے پاس حاضر ہوں اور آپ مجھ سے تحفہ طلب کریں تو میں اسے آپ کے حضور پیش کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ نے روز ازل ہی ہر انسان کے دل میں اپنی محبت کا گراں قدر ہیرا ملفوف کر دیا۔ پھر

اپنے رسولوں کے ذریعے اس گوہر بے بہا کی چمک دمک میں اضافہ کرنے والے اور اس کی قدر و قیمت کو کمال تک پہنچانے والے اور اس کے بر عکس اسے خاک سیاہ کر دینے اور تباہ و برباد کر دینے والے اعمال سے آگاہ بھی کر دیا۔ اب ہر وہ انسان جو اس موتی کو تراش کر چمکا دمکا لے گا وہ کامیاب ہو جائے گا اور جس نے نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کی تسکین میں مگن رہ کر اسے خاک میں ملا دیا وہ برباد ہو جائے گا۔ اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت ملاحظہ فرمایئے۔

فالھمھا فجورھا وتقوھا O قد افلح من زکھا O وقد خاب من دسھا (الشمس 8 تا 10)

"پھر اس کو بدکاری اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔ جس نے اس کو سنوار لیا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ نامراد ہوا"

اب تک جو رموز و اسرار محبت ہمارے سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں کامیاب زندگی کسی ایسے نظام کی متقاضی ہے جو پوری بنی نوع انسان کے اندر پوشیدہ اللہ کی محبت کو بیدار کر کے اس کی زندگی کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دے اور اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے حریم کبریا کی جانب اس کی پرواز کے ذوق کو بڑھاوا دے۔ ان مقاصد جلیلہ کی تکمیل کا ضامن اللہ کا دین ہی ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر پوری امت مسلمہ اللہ کی طرف سے اس امر کی مکلف ہے کہ پہلے خود اجتماعی طور پر اس آئین کی عملی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کر کے اسے اس کی برکات کا مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔ پھر پوری انسانیت کو اس آئین کے مطابق ڈھالنے کی جدوجہد کرے جس میں اللہ کی محبت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اس بنیادی اصول کا تقاضا ہے کہ اجتماعی زندگی اس طرح تشکیل دی جائے کہ اس میں شان و شوکت کی بجائے سادگی کو رواج ملے۔ جس میں زندگی جسموں کی زیبائش' مکانوں کی آرائش اور دولت کی نمائش کے گرد گھومنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر' قلوب کی اصلاح اور مخلوق خدا کی فلاح کو اپنا محور بنائے۔ جس میں تمام انسان اللہ رب العالمین کی حاکمیت کے تحت اس کے تابع دار بندے اور باہمی محبت کرنے والے بھائی بن کر بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے آئین رحمت کی مخالفت کرنے والوں کے جھوٹے الزامات اور بودے اعتراضات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محض اللہ کی رضا کی خاطر دوسرے انسانوں کو زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرنے' آخرت کے عذاب سے بچانے اور اللہ کی محبت کی راہ پر ڈالنے کے لئے مسلسل جہاد کرتے رہیں ورنہ اللہ حکیم و خبیر صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے والی لیکن عملی

طور پر دنیا کی محبت میں مستغرق قوم کو عالمی قیادت کے منصب سے معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسری باصلاحیت قوم کو کھڑا کر دے گا۔ جو لوگ اللہ اور آخرت کی زندگی پر دنیا کو ترجیح دے کر جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیں گے انہوں نے گویا اللہ کے دین ہی کو ترک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ محبت کی اہمیت اور مومنین کے کردار کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبھم ویحبونه اذلة علی المومنین اعزة علی الکفرین یجاھدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله واسع علیم ○ (المائدۃ 54)

"اے ایمان والو! اگر تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیں گے تو اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہو گا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے"

امت مسلمہ کے سینے میں جب تک اللہ کے عشق کی آگ فروزاں رہی اس کے سامنے آنے والی باطل قوتیں خس و خاشاک کی طرح جل کر خاک میں مل گئیں۔ اس کی مخالفت میں اٹھنے والے طوفان اس شعلہ جوالہ کو بجھانے کی بجائے اس کی آتش شوق کو تیز سے تیز تر کرتے رہے۔ جب سے یہ آگ بجھی ہے اعمال بے روح اور بے جان ہو گئے ہیں اور ہماری منزل نگاہوں سے گم ہو چکی ہے۔ دنیا پر طویل عرصہ حکمرانی کرنے والی قوم اب کاسہ گدائی لئے کفار و مشرکین کے در پر جبہ سائی کر رہی ہے۔ عشق کی آگ بجھ جانے کے سبب مسلمان راکھ کے ایک ڈھیر کی مانند ہو کر رہ گئے ہیں جسے زمانے کی آندھیاں اپنی ٹھوکروں میں لئے جدھر چاہتی ہیں اڑاتی پھرتی ہیں۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا گریہ دل بھی سن لیں۔

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خواجہؒ کے خطوط

(ترتیب و تدوین۔ خالد مسعود)

1۔ عمل کی اہمیت

☆ "آپ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم پر عمل کرتے جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ صرف عمل ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ کرنے ہی سے سب کچھ ملتا ہے۔ صرف باتیں کرنے سے کچھ نہیں ملتا۔ کوشش کرتے رہو۔ کرتے رہو۔ کرتے رہو" (بنام اکبر مغل صاحب 27-3-73)

☆ "جو کچھ بتایا ہے وہ کرتے رہو دل بھی نرم ہو جائے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ یا اللہ تعالیٰ یا میرا دیدار جب ہونا ہو گا ہو جائے گا۔ تمہارا فرض صرف یہ ہے کہ کام کرتے رہو۔ باقی ہو گا وہی جو اللہ کو منظور ہو گا اور جب منظور ہو گا" (بنام غوث محمد صاحب 25-4-56)

☆ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اپنے ذکر وغیرہ باقاعدہ کرتے رہو۔ پھر جو بھی اللہ دے اس پر خوش رہو" (بنام عبدالحمید صاحب 14-2-71)

☆ "میرا تو فرض ہے کہ آپ کے لئے دعا کرتا رہوں۔ آپ تعلیم پر عمل کرتے رہیں" (بنام عبدالحمید صاحب 25-7-72)

☆ "صرف ٹیچر ہوں جو کوئی اللہ اللہ سیکھنا چاہے اسے سبق دے دیتا ہوں۔ وہ یاد کرے تو اس کی ترقی ہو جاتی ہے نہ کرے تو میں کچھ نہیں کر سکتا" (بنام مخدوم ریاض حسین 26-12-64)

☆ "مجھے جو کچھ آتا ہے بتانے کے لئے تیار ہوں مگر بغیر محنت کے کچھ نہیں ملتا" (بنام غوث محمد صاحب 1-1-56)

2۔ پیر کی زیارت

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-11-30)

"ویسے میں پیر وغیرہ کی زیارت کا قائل نہیں۔ یہ سب چھوٹے دل والوں کی باتیں ہیں۔ فائدہ تو پیر کی تعلیم پر چلنے سے ہوتا ہے نہ کہ زیارت سے۔ یہ سب پرانے ڈھکوسلے ہیں۔ میں نے دو پیروں سے بیعت کی تھی۔ مولانا کریم الدین احمد صاحب ؒ اور سید قاسم علی کلیمی ؒ سے۔ مولانا کریم الدین احمد صاحب ؒ سے میں 6 برس میں صرف دس پندرہ دفعہ ملا اور حضرت قاسم صاحب ؒ سے دس برس میں صرف دو مرتبہ۔ رسالدار صاحب ؒ سے البتہ کافی ملنا ہوا ہے۔ مجھے جو کچھ بھی ملا وہ انکی تعلیم پر پورے جوش سے عمل کرنے اور پھر خدا کی مہربانی سے۔ ایسا ہی آپ لوگوں کو کرنا چاہئے۔ البتہ پیر سے عقیدت اور تھوڑی بہت محبت ضروری ہے"

☆ "مجھے ملنا اتنا مفید نہیں جتنا کہ میرے کہنے اور تعلیم پر عمل کرنا۔ ملاقات نہ بھی ہو خط و کتابت سے بھی وہی فائدہ ہو سکتا ہے۔ ملنے کی زیادہ فکر نہ کریں" (بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-12-15)

☆ "مجھے ملنے کی ایسی ضرورت نہیں۔ فرائض منصبی خوشی و شوق اور پورے جوش اور ولولے سے پورا کرنے کی ضرورت ہے" (بنام محمد مرتضٰی صاحب 65-10-16)

3۔ آخری سانس تک

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 62-3-20)

"روحانی قبض سے پریشان نہ ہوں۔ آپ کو جو کام بتایا گیا ہے کرتے رہیں اور یاد رکھیں کہ مقصد مرتے دم تک نیک رہنا ہے۔ شیطان آخری سانس تک بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے ہر وقت مدافعت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

حضرت علیؓ کا دیدار

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

1959ء کی بات ہے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بنوں سے راولپنڈی آئے ہوئے تھے اور شہر میں قیام پذیر تھے۔ ہر شام پیر بھائی وہاں اکٹھے ہوتے اور وعظ و پریم کی مجلسیں جمتیں۔ پاکستان ائرفورس کے ایک صاحب فلائٹ سارجنٹ زیڈ۔ اے خاں نے حلقہ کے بھائیوں سے آپ کا ذکر سنا تو کہنے لگے کہ میں بھی قبلہ حضرت سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے بس اگر وہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دیدار کرا دیں تو میں ان کا مرید ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اسی شام وہ حاضر مجلس ہوئے اور اپنا مدعا عرض کرتے ہوئے کہا کہ میرا تعلق شیعہ مسلک سے ہے۔ میں نماز اور تہجد باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ بڑی مدت سے میری آرزو ہے کہ حضرت علیؓ کے دیدار کی سعادت حاصل کروں لیکن یہ حسرت پوری نہیں ہوئی۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی اور حاضرین مجلس محظوظ ہوتے رہے۔ پھر آپ نے پینے کے لئے پانی طلب فرمایا۔ آپ نے اس میں سے دو گھونٹ خود پی کر گلاس زیڈ۔ اے خان صاحب کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "لو پی لو۔ آج رات زیارت ہو جائے گی" عشاء کے کافی دیر بعد مجلس برخاست ہوئی اور سب بھائی چلے گئے۔ اگلے روز حسب معمول شام کو مجلس جمی اور خان صاحب بھی نشے میں ڈوبے جھومتے جھامتے تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے۔

"میں رات کو بڑا خوش خوش سو گیا کہ آج میری مراد حاصل ہو جائے گی۔ حسب معمول تہجد کے وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے کہا کہ رات تو گزر گئی لگتا ہے بابے نے بھی مجھے ٹرخا دیا ہے۔ میں نے وضو کیا تہجد پڑھی اور بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے اونگھ آ گئی میں نے دیکھا کہ جنت میں ہوں اور اس میں سرخ رنگ کی ایک بڑی خوبصورت سڑک ہے جس کے دونوں کناروں پر بہت سے بزرگ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ لوگ

یہاں کس لئے کھڑے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لا رہے ہیں اور ہم ان کے احترام میں کھڑے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ مجھے بھی ان کے دیدار کا موقع ہاتھ آ گیا۔ میں بزرگوں کی قطار سے پیچھے ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز آنے لگی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی جرنل فوجی بوٹ پہنے چل رہا ہو۔ جب آواز بالکل قریب آ گئی تو میں نے درخت کی اوٹ سے نکل کر سڑک کی جانب نگاہ اٹھائی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ آ رہے ہیں اور ان کی دونوں جانب امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہیں سڑک کے کنارے کھڑے تمام بزرگ تو نگاہیں جھکائے کھڑے تھے لیکن میرے شوق نے ہمت بڑھائی تو میں نے آپ کے روئے مبارک کی طرف نگاہ اٹھانے کی جسارت کر لی۔ حضرت علیؓ نے رخ میری طرف فرمایا اور ذرا سا مسکرائے۔ مجھے ان کے دانت مبارک نظر آئے تو ایک دانت سے نور کی ایک شعاع نکل کر سیدھی میرے دل پر آ لگی کہ میری چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور جسم پسینے سے شرابور تھا۔ قلب و روح پر ایسا سرور چھایا تھا کہ مجھ سے سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ ابھی بھی طبیعت اس نشہ کو برداشت کرنے کے قابل ہوئی ہے۔ مجھے اب معلوم ہو گیا ہے کہ اسلام کی حقیقت ہے۔ میں آپ کے سلسلے کی تعلیم کی صداقت کا قائل ہو گیا ہوں۔ میں سب کو بتاؤں گا کہ حقیقت کیا ہے بلکہ ایران جا کر بھی تبلیغ کروں گا"

قبلہ حضرتؒ نے تھوڑا سا پانی دم کر کے خان صاحب کو پلایا تو ان کا جوش ذرا کم ہوا اور روحانی سرور قابل برداشت ہو گیا۔ آپؒ نے مذاق کے طور پر خان صاحب کو فرمایا کہ آپ نے تو جنت میں بھی دیکھ لیا کہ ادب اور تعظیم کے لئے کھڑا ہونے کے لئے ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں لیکن آپ نماز بھی ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے ہیں جیسے کوئی لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو۔ خانصاحب کیونکہ شیعہ تھے اس لئے بیعت تو نہ ہوئے بلکہ حضرت علی علیہ السلام کی زیارت کے بعد یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے کہ اب تو میں حضرت علیؓ سے بیعت ہو گیا ہوں۔ بہر حال قبلہ حضرتؒ سے کبھی کبھار ملتے رہے لیکن ان کی روحانی کیفیات قائم نہ رہ سکیں۔

مذہب اسلام

(بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

مذہب اسلام مشتمل ہے تین حصوں پر اول عقائد' دوسرے عبادات' تیسرے معاملات ۔ یہ تینوں آپس میں اس طرح مربوط اور پیوستہ ہیں جیسے ایک مشین کے پرزے کہ ایک پرزہ بھی بیکار ہو جائے تو ساری مشین چلنے سے رک جاتی ہے ۔ اسی طرح اگر اسلام کے ان تینوں حصوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل میں کوتاہی ہو تو مذہب میں خلل آجاتا ہے اور یہ کوتاہ اعمالی اگر قوم کی اکثریت سے سرزد ہو تو ساری قوم تباہ ہو جاتی ہے ۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے :۔

افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فماجزآء من یفعل ذالک منکم الاخزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیامتہ یردون الی اشد العذاب ○ (البقرۃ ۔ 85)

یعنی "کیا تم قرآن کی بعض باتوں کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے' جو ایسا کرتا ہے اس کی جزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی میں اس کی رسوائی ہو اور آخرت میں ایسے لوگ سخت عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے"

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اگر تم قرآن کی ہر بات پر یقین اور عمل کرو گے تو فلاح پاؤ گے ورنہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل ہو گے ۔ اب چونکہ مسلمان ہونے کے لئے سب سے پہلی چیز عقائد پر ایمان لانا ہے' اس لئے لازم ہوا کہ سب سے پہلے بنیاد یعنی عقائد کو محکم سے محکم تر بنایا جائے' جتنے یہ عقائد محکم ہوں گے' اتنی ہی ہماری عبادات پر خلوص اور با اثر ہوں گی اور اتنے ہی ہمارے معاملات صالح اور مفید ہوں گے ۔ ہمارے زوال کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ عقائد یعنی بنیاد ہی محکم نہیں ۔ یہ عقائد کیا ہیں سنئے ۔

عقائد

مذہب اسلام میں داخل ہونے کے لئے مندرجہ ذیل عقائد پر ایمان لانا پہلی شرط ہے :۔

1 :۔ اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور ذات و صفات میں ہر لحاظ سے اس کی یکتائی پر۔

2 :۔ فرشتوں پر۔

3 :۔ وحی کے ذریعہ نازل ہونے والی کتابوں پر۔

4:۔ تمام رسولوں پر۔
5:۔ قیامت کے دن پر۔
6:۔ اس بات پر کہ خیرو شر کے تمام اندازے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔
7:۔ موت کے بعد زندگی پر۔

چونکہ یہ تمام باتیں قرآن میں موجود ہیں' اس لئے اگر ہم یوں کہیں کہ مسلمان ہونے کے لئے تین باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے تو غلط نہ ہو گا۔ وہ تین باتیں یہ ہیں:۔

1۔ اللہ کی واحدانیت:۔

یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ذات و صفات میں ہر لحاظ سے یکتا اور بیمثل ہے۔

2۔ محمد ﷺ کی رسالت:۔

یعنی یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں۔

3۔ قرآن کی صداقت:۔

یعنی یہ کہ قرآن جیسا کہ حضور محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا تھا بالکل ویسا ہی بغیر ایک حرف یا زیر زبر کی کمی بیشی کے اس وقت بھی موجود ہے اور اس کے ہر حکم پر خواہ امر ہو یا نہی پوری طرح عمل کرنا ہی عین اسلام ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں 'یعنی حواس ظاہری سے معلوم و محقق نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ غیب میں ہے 'حواس ظاہری سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ محمد ﷺ اگرچہ بصورت بشر دنیا میں تشریف لائے لیکن آپ کے رسول ہونے کا ذریعہ یعنی وحی غیب سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح قرآن اگرچہ کتاب کی شکل میں ہمارے پاس ہے لیکن اس کے نزول کا ذریعہ یعنی جبریل علیہ السلام بھی غیب ہی میں ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن میں اور بھی کئی چیزیں بیان کی گئی ہیں جو حواس ظاہری سے معلوم نہیں ہو سکتیں مثلاً فرشتے 'دوزخ 'جنت' لوح محفوظ وغیرہ وغیرہ۔

تو گویا مسلمان ہونے کے لئے سب سے پہلی چیز "ایمان بالغیب" ہے 'یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم بغیر کسی دلیل و حجت کے ان چیزوں پر یقین کامل پیدا کرلیں۔ یہ درجہ ایمان کا بہت

ہی بڑا ہے' کیونکہ بغیر دلیل کے ان باتوں کو مان لینا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی کی تصدیق کرنا ہے ۔ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے' کیسا ہے' کہاں ہے' ہے بھی یا نہیں؟ لیکن محمد ﷺ کو ہم ضرور جانتے ہیں کہ وہ سچے تھے' امین تھے' معصوم تھے' جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے تو ہم کو کسی اور حجت و دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان چیزوں کی طرح ایمان کے بھی مختلف درجے ہیں۔ ایک شخص محض دھوکا دینے کی غرض سے کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا تو وہ منافق ہے' لیکن ایک اور شخص سچ مچ مسلمان ہونے کی نیت سے کلمہ پڑھتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ "میں ایمان لایا اللہ اس کے رسولوں اور کتابوں پر" وغیرہ وغیرہ' مگر اس کو اپنے الفاظ پر اعلیٰ درجہ کا یقین نہیں ہوتا' وہ شخص بے شبہ "مسلمان" ہے لیکن "مومن" نہیں۔ مومن صرف وہ ہے جس کو یقین کامل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل لاکھوں مسلمانوں میں سے شاید ایک دو ہی ہوں گے جو مومن کہلانے کے مستحق ہوں گے' بر خلاف اس کے قرن اول کے عربوں میں اسی نوے فیصدی پکے مسلمان اور رسول اکرم ﷺ کے اصحاب کبار میں سو فیصدی مومن کامل تھے۔ ان کے اخلاق بھی کامل تھے' اللہ پر ان کا بھروسہ اور قرآن پر ان کا عمل بھی کامل تھا' یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف قدم اٹھاتے کامیاب ہوتے تھے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور پیشہ ایسا نہ تھا جس میں ان کی ترقی فقید المثال نہ ہو' یہی وہ مبارک جماعت تھی جس کے ساٹھ ساٹھ آدمی ساٹھ ساٹھ ہزار کفار کو میدان جنگ میں شکست دے دیا کرتے تھے۔ آج مغربیت زدہ مسلمان ان حقیقتوں کو تقلید یورپ کی وجہ سے جھوٹا سمجھتے اور مذاق اڑاتے ہیں' مگر وہ معذور اور قابل معافی ہیں۔ وہ ایمان کی طاقت اور نصرت خداوندی سے نا آشنا ہیں اور محض اس واسطے نہ آشنا ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے' وہ صرف مسلمان ہیں مومن نہیں ہیں بلکہ بہت سے تو شاید مسلمان بھی نہیں۔

یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے' قرآن میں ہے۔

"قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوآ اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم. ط......"۔ (الحجرات۔ 14)

یعنی "اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے (تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم سے فرمایا اے مح

خاص لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ذرا آگے سوچتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ جب ہر چیز کا کوئی بنانے والا ضرور ہوتا ہے تو پھر اللہ کا پیدا کرنے والا بھی ضرور ہونا چاہئے۔ یہیں سے منطق' فلسفہ اور علم کلام کی کبھی ختم نہ ہونے والی بحثیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ان کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جو زیادہ تعلیم یافتہ اور لسان ہو وہ مدمقابل کو خاموش کر دیتا ہے' گو اس کی تسلی نہ بھی کر سکے۔ لیکن ان بحثوں سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور غیب کی دوسری چیزوں کے متعلق تلاش و جستجو بڑھتی چلی جاتی ہے اور ہر طالب اپنی طلب اور علم و عقل کے مطابق کسی نہ کسی مقام پر مطمئن ہو جاتا ہے یا انکار کر دیتا ہے۔

ان ہزار ہا طالبوں میں دو چار ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی استدلال عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک وہ جو محض ضد اور تعصب کی وجہ سے قائل ہونا ہی نہیں چاہتے' دوسرے وہ جو واقعی دل سے معرفت یا دیدار باری تعالیٰ کے متمنی ہوتے ہیں۔ وہ یہ جاننے کے لئے بھی بے تاب ہوتے ہیں کہ مادے کے ان کثیف پردوں میں جو عالم لطیف مستور ہے کیسا ہے؟ انسان کیا ہے۔؟ روح کیا ہے؟ فرشتے کیا ہیں؟ دوزخ جنت کی حقیقت کیا ہے؟ یہی ہیں وہ مبارک لوگ کہ جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اولیاء اللہ کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں۔ ان پر وہ حقیقت کبریٰ بے نقاب ہو جاتی ہے جس کو معلوم کرنے کے لئے دنیا بھر کے فلاسفر اور سائنسدان مادی ظلمات کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے مارتے فنا ہو گئے اور نامراد رہے۔ لیکن معرفت اور اس سے بھی بڑھ کر رویت باری تعالیٰ کا حصول کوئی مذاق یا دل لگی نہیں ہے تاہم یہ محال بھی نہیں۔ قرآن کریم میں رویت باری تعالیٰ کے متعلق بہت سی آئتیں ہیں' ان میں کچھ ایسی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رویت قیامت میں ہو گی' لیکن کچھ ایسی بھی ہیں جن میں قیامت کا کوئی ذکر بظاہر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں میں اس مسئلہ پر بھی کافی بحث و مباحثہ رہا ہے اور اب بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ رویت قیامت میں ہو گی' دوسرا کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی ہو جائے گی' تیسرا گروہ جس میں عام طور پر صوفیاء اور اولیائے کرام شامل ہیں دعویٰ کرتا ہے کہ رویت باری تعالیٰ اسی زندگی میں میسر آ سکتی ہے اور جس کو یہاں میسر نہ آئی اسے آخرت میں بھی میسر نہ آئے گی۔ ان کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ معرفت اور دیدار باری تعالیٰ کی خواہش بھوک پیاس کی طرح ایک فطری اور جبلی خواہش ہے خواہ لاکھوں میں سے

صرف ایک دو آدمیوں کے دل میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشاہدہ کہتا ہے کہ جتنی جبلی خواہشات قدرت نے پیدا کی ہیں' ان سب کی تسکین کا سامان ضرور پیدا کیا ہے' مثلاً" بھوک اور پیاس پیدا کی ہیں تو ان کی تسکین کے لئے طرح طرح کے ماکولات اور مشروبات پیدا کر دئے ہیں' یہی حال دوسری شہوات و خواہشات کا ہے' پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور عرفان کی خواہش تو کسی انسان کے دل میں فطرتاً" رکھ دی ہو لیکن اس کی تسکین کا سامان اور حصول کے ذرائع پیدا نہ کئے ہوں۔ دوسرے یہ بزرگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے:۔

ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی O (بنی اسرائیل۔72)

یعنی "جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا"۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس نے یہاں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا وہ وہاں بھی نہ دیکھے گا' پھر قرآن کریم میں یہ بھی ہے کہ

فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور O

یعنی "ان کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوں گی بلکہ ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوں گے " اور ظاہر ہے کہ یہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صفاتی شانوں مثلاً" نور وغیرہ ہی کو دیکھ سکتی ہیں اس کی ذات تو صرف دل کی آنکھوں ہی سے نظر آ سکتی ہے۔ ان آیات کے علاوہ ایک جگہ یوں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ

ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشتہ ضنکا و نحشرہ یوم القیمتہ اعمی O (طہ۔ 124)

یعنی "جس نے اعراض کیا میری یاد سے یقیناً" اس کے واسطے (روحانی) معیشت کی تنگی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے" یعنی وہ ہمارے دیدار سے محروم رہے گا۔ گویا اس آیت میں بھی بتا دیا گیا ہے کہ دیدار الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ یاد الٰہی ہے۔ الغرض ان آیات پر غور کیا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو یہاں نہیں دیکھیں گے آخرت میں بھی نہ دیکھیں گے' یا بہ زبان حاضریوں کہئے کہ جن کو یہاں بصیرت باطنی حاصل نہیں ہوگی وہ آخرت میں بھی اس سے محروم رہیں گے کیونکہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" جو بیج یہاں بوؤ گے اسی کے پھل وہاں کھاؤ گے۔ جو لوگ اس دنیا میں رویت باری تعالیٰ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو باوجود درخواست کے یہاں رویت میسر نہ آئی تو کسی غیر پیغمبر کو کس طرح آسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وادی طویٰ میں جو آگ موسیٰ علیہ السلام کو دکھائی گئی تھی اور اس میں سے آواز آئی تھی کہ "میں تیرا رب ہوں" اور "میں ہی ہوں اللہ" تو کیا یہ دیدار الٰہی نہ تھا' لیکن اس طرح اللہ تعالٰی کو دیکھ کر جب ایک عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر درخواست کی کہ اے اللہ میں تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں' تو جواب ملا کہ "تو نہیں دیکھ سکتا" اور جب زیادہ ضد کی تو طور کا واقعہ پیش آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلے تو بغیر کسی سوال بلکہ کسی خواہش کے خود اپنا جلوہ دکھایا اور دوسری مرتبہ بارہا درخواست کرنے پر انکار کردیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ تو وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان مادی آنکھوں سے اللہ تعالٰی کو بصورت نور دیکھا تھا۔ دوسری مرتبہ جو درخواست کی تھی تو وہ اللہ تعالٰی کی ذات بے رنگ و بو کو انہی مادی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے کی تھی۔ اور یہ بات ممکن نہیں' اس لئے انکار کردیا گیا یا یوں کہئے کہ معاملہ کو خوبصورتی سے ٹال دیا گیا۔ بہرحال ہم اس بات پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ طریقے بیان کرتے ہیں جن سے بفضل خدا اس کا دیدار میسر آسکتا ہے۔ مگر یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں صرف اہل طلب کے لئے ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ عرفان یا لقائے باری تعالٰی کے ذریعہ ایمان کامل پیدا کرنے کا سوال سامنے آتے ہی ہم اپنے آپ کو ایک ایسے علم سے دوچار پاتے ہیں جس کا نام تصوف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں کئی صدیوں تک جب حکومت کے نشہ اور دولت کی بہتات سے عامتہ المسلمین کے صراط المستقیم سے بھٹک جانے کا خطرہ لاحق تھا' تصوف اور صوفیائے کرام نے ان کو راہ راست پر قائم رکھنے میں بڑا حصہ لیا' لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ آخری صدیوں میں مسخ شدہ تصوف اور علم سے بے بہرہ صوفیوں کی لایعنی اور خلاف قرآن تعلیم سے جو نقصان عظیم ملت اسلامیہ کو تصوف سے پہنچا ہے وہ اور کسی بات سے نہیں پہنچا۔ اس امر واقعہ کے پیش نظر نہایت ضروری ہے کہ آئندہ صفحات میں اس علم کا کسی قدر واضح بیان کیا جائے۔ اسی ضمن میں ایمان کامل پیدا کرنے اور رویت و معرفت باری تعالٰی حاصل کرنے کے طریقوں کا بیان بھی اپنی اپنی جگہ پر آجائے گا۔ (حوالہ تعمیر ملت)

حقیقت ذکر الٰہی

حضرت مولانا سید ابو بکر غزنویؒ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اگر روحانی بیماری کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت میں بیماریاں دو ہی ہیں۔

(1)۔ عقیدہ و عمل کی بیماری

اس بیماری میں عقیدہ درست ہوتا ہے' ذہن خیر و شر میں حد فاصل کھینچتا ہے' لیکن اعضاء و جوارح عقیدے کا ساتھ نہیں دیتے۔ عقل کہتی ہے کہ اللہ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہئے مگر عین اس وقت جب عقل یہ کہہ رہی ہوتی ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ حب مال' حب جاہ' حب حسن مجاز اللہ کی محبت پر چھا گئی ہے۔ انسان تسلیم کرتا ہے کہ غیر اللہ کا ڈر دل میں نہیں ہونا چاہئے' مگر دل میں جھانکتا ہے تو جھوٹے خداوندوں کے خوف سے اسے ملوث پاتا ہے۔ انسان مانتا ہے کہ حسد' بغض' کینہ' عناد' تکبر' بخل روحانی بیماریاں ہیں اور دل ان سے پاک ہونا چاہئے۔ مگر اس کے باوجود وہ دل میں ان سانپوں کو رینگتا ہوا دیکھتا ہے۔ ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ عقیدہ و عمل کے اس تضاد کا علاج کیا ہے؟

(2)۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عقیدہ کی چولیں ڈھیلی ہو جاتی ہیں

ذہن خیر و شر میں واضح طور پر حد فاصل نہیں کھینچتا ہے۔ عقل سرکش ہو کر چھوٹ ہو جاتی ہے اور ہر وہ بات جو اس کی گرفت میں نہیں آتی' اس کے وجود ہی سے منکر ہو بیٹھتی ہے۔ اس بیماری میں سوچنے کا انداز یوں ہوتا ہے۔ جانے اس کائنات کا کوئی نظام چلانے والا کوئی ہے بھی کہ نہیں۔ وحی و تنزیل کی حقیقت کیا ہے' وحی غیر مرئی' ملائکہ کو وجود غیر مرئی خدا کی ہستی ناقابل ادراک۔ روح کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ پھر حیات بعد الممات کیا ہے؟ ہر وہ شے جو حواس کی گرفت میں نہیں آتی' انسان اس کے وجود میں متشکک (SCEPTIC) ہو جاتا ہے۔ اس تشکیک کا علاج کیا ہے؟

عقیدہ و عمل میں تضاد

عقیدے اور عمل میں تضاد کیوں ہوتا ہے؟ انسان کا وجود مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب

ہے۔ اس کے خمیر میں حیوانیت' بہیمیت' سبعیت' ملکیت' یہ سب کچھ گندھا ہوا ہے۔ جب ملکیت' بہیمیت' و سبعیت سے مغلوب ہو جاتی ہے' عقیدہ و عمل میں تضاد رونما ہوتا ہے۔ جب نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے' تو اعضا ذہن کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس آیت میں اسی حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ان النفس لامارة بالسوء (۱۲' ۵۳)

"نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے"

قرآن مجید نے نفس کے علاوہ ایک اور دشمن کی خبر دی ہے جو برائی پر اکسانے والا ہے۔

ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا (۳۵-۶)

ترجمہ! "یقیناً" شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اسے (دل و دماغ کی ہم آہنگی کے ساتھ) دشمن سمجھو"

اور اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ جیسے انسانی جسم میں ہوا کی آمد و شد جاری ہے' جیسے بجلی جسم میں سرایت کر جاتی ہے' شیاطین کی ارواح ہیں' ان کا جسم میں سرایت کر جانا آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ شیطان بڑا گھاگ اور خرانٹ ہے وہ سرد و گرم عالم چشیدہ ہے۔ اس نے چرخ کی ان گنت گردشیں دیکھی ہیں۔ وہ ہر شخص کی کمزوریوں پر نظر رکھتا ہے اور نفس کے کمزور ترین حصے کو چھوتا ہے۔ وہ ایسا احمق نہیں کہ جس شخص کے خمیر میں فیاضی گندھی ہوئی ہو' جس کی ہڈیوں میں سخاوت رچی ہو' اسے بخل پر آمادہ کرے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں دھینگا مشتی کی صلاحیت نہیں۔ وہ اسے شراب نوشی اور حسن پرستی پر اکساتا ہے۔

پس نفس اور شیطان دو بڑے دشمن ہیں اور نفس شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔ آدم و حوا کو شیطان نے بہکایا فازلھما الشیطان مگر خود شیطان کو کس نے بہکایا؟ اسے نفس ہی نے بہکایا۔ اس وقت تو کوئی اور شیطان نہ تھا۔

علاج! اب سوال یہ ہے کہ نفس اور شیطان کو کیسے پچھاڑیں؟ انہیں پچھاڑنے کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے کتاب و سنت کی روشنی میں ان کی حقیقت معلوم کریں۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس (بخاری شریف)

"شیطان آدمی کے دل میں جم کر بیٹھتا ہے۔ جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جونہی انسان ذکر سے غافل ہوتا ہے' جی میں وسوسے ڈالتا ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان کو جو ابن آدم کے دل میں جم کر بیٹھتا ہے اور رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے آدمی کے جسم سے باہر آنا پڑتا ہے اور جب تک آدمی ذکر میں مشغول رہتا ہے' ذکر کا نور اسے قریب نہیں آنے دیتا۔

آپ یقین کیجئے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہیں' شیاطین نے ان کے سینوں کو اپنا نشیمن بنا رکھا ہے۔

ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطنا فهو له قرین (43-36)

جو شخص اس رحم کرنے والے آقا کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے' ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں اور وہ شیطان ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے"۔

وہ خدا جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور جس نے بتدریج ہمیں حد کمال تک پہنچایا' وہ خدا جو دن رات ہم پر جسمانی' ذہنی اور روحانی نوازشوں کی بارش کرتا ہے' ہم میں سے جو بھی محسن اعظم کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے' اللہ کا قانون یہی ہے کہ اس احسان فراموش کی روحانی مناسبت شیاطین سے ہو جاتی ہے۔

ذکر الٰہی چونکہ شیطان کے حق میں بمباری سے کم نہیں' اس لئے وہ جس پر مسلط ہوتا ہے' پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اسے اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔

استحوذ علیهم الشیطن فانسهم ذکر الله اولیک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن هم الخسرون (۵۸-۱۹)

"شیطان ان پر مسلط ہوا تو اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا۔ یہی لوگ شیطان کی ٹولی ہیں۔ دیکھو شیطان کی ٹولی ہی گھاٹے میں رہنے والی ہے"

جب بھی کوئی شخص دشمن پر قابو پاتا ہے' تو سب سے پہلے وہ دشمن سے ان ہتھیاروں کو چھینتا ہے جو اس کے لئے ہلاکت کا سامان ہیں اس آیت سے اور بھی وضاحت ہو گئی کہ ذکر الٰہی شیطان کے لئے حد درجہ ہلاکت آفریں ہے جبھی تو انسان پر قابو پاتے ہی ذکر الٰہی سے غافل کرنے کی فکر سب سے پہلے اسے دامن گیر ہوتی ہے۔

پس یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں شیطان کا علاج ذکر الٰہی ہے۔ اب آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں نفس کا علاج تلاش کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لکل شی صقالہ و صقالتہ القلوب ذکر اللہ (بیہقی)
ہر شے کو چمکانے کے لئے پالش ہے اگر دلوں کو تم صیقل کرنا چاہو تو اللہ کے ذکر سے صیقل کرو۔
پس اگر دل کو حسد، بغض، تکبر، بخل کے گرد و غبار سے صاف کرنا چاہو' تو اس کی تدبیر بھی ذکر الٰہی ہے۔

یکے دواست بدارالشفاء میکدہ ہا

زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہید

ترجمہ! توحید کے شراب خانوں کے دارالشفا میں ایک ہی دوا ہے۔ جس بیماری سے بھی کوئی کراہ رہا ہے' اس کے منہ میں ذکر الٰہی کی شراب انڈیلو

دوام ذکر

چونکہ نفس اور شیطان دونوں کا علاج ذکر ہے' اسی لئے قرآن نے دوام ذکر پر زور دیا۔

فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم (۴'۱۰۲)

"جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ' تو اللہ کا ذکر کرو۔ اٹھتے' بیٹھتے' پہلو بدلتے ہوئے۔

اور اللہ والوں کے بارے میں فرمایا

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم (۳۔۱۹۱)

وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں

اسلامی نقطہ نظریہ ہے کہ صلح ہو یا جنگ ہو' بزم ہو یا رزم' اللہ کا ذکر مسلسل اور پیہم کرو۔ سورۃ انفال میں ہے۔

یایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئتہ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (۸'۴۶)

"اے ایمان والو! جب کسی جتھے سے تمہاری ٹکر ہو جائے تو جم کر لڑو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو' تاکہ تمہیں کامرانی حاصل ہو۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے کہا کہ فرعون سرکش ہو گیا' جاؤ اسے سمجھاؤ' تو ساتھ ہی کہا ولا تنیا فی ذکری (۲۰'۴۲)

"میری یاد میں سستی نہ کرنا"

حضور علیہ السلام کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔

کان یذکر اللہ علی کل احیانہ (مسلم)

"وہ ہر آن ہر لحہ اللہ کا ذکر کرتے تھے"

عبداللہ بن بشرؓ سے روایت ہے ایک صحابی نے بارہ گاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشی اتشبث بہ اسلام کے احکام تو بہت سے ہیں مجھے کوئی ایک بات ایسی بتا دیجئے جسے میں اپنا دستور العمل ٹھہرالوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ (ترمذی)

"تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہے"

پس دوام ذکر ہی عقیدہ و عمل میں تضاد کا علاج ہے۔ اسی سے ملکیت 'بہیمیت پر غالب ہوتی ہے اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے' اسی سے جذبات کی تطہیر ہوتی ہے" وہ لوگ جنہیں اللہ کے راستے کی معرفت حاصل ہوئی' اللہ کی یاد سے پل بھر کی غفلت بھی مصیبت سمجھتے ہیں۔

صرف عصیاں ہوا وہ لحظہ عمر
جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

پس وہ تمام مذہبی جماعتیں جو ذکر الٰہی کی الٹی سیدھی تعبیریں کرتی ہیں اور ذکر الٰہی سے گریز کی راہیں ڈھونڈتی ہیں' ان کے نظریات و افکار میں شیطانی وساوس کو دخل ہوتا ہے۔ شیطان ان کے جی میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ ذکر الٰہی سے مراد یہ ہے کہ وہ یاد رہے۔۔۔۔ یعنی اس کا خیال رہے اور خیال کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اس کے بتلائے ہوئے کاموں پر عمل کیا جائے۔ یوں شیطان بھلا پھسلا کر ذکر الٰہی سے انہیں غافل کر دیتا ہے اور ان پر مسلط ہو جاتا ہے۔ ذکر الٰہی سے گریز قرآن مجید کی نظر میں منافقت کی نشانی ہے۔

ولا یذکرون اللہ الا قلیلا (۴-۱۴۱)

جو فرقہ اللہ کی عبادت سے فرار کے بہانے تراشے اور یہ کہے کہ قرآن مجید میں تو پانچ نمازوں کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ خود اللہ کی عبادت سے یہ فرار میری نظر میں ان کی ضلالت اور گمراہی کی سب سے

بڑی دلیل ہے۔ وہ عمل کہ جب سے فرض ہوا۔ اس وقت سے لے کر آج تک پورے عالم اسلامی میں بلا ناغہ پانچ وقت دہرایا گیا' اس عمل کے بارے میں ان کی کٹ حجتیاں اور حیلہ سازیاں ان کے محجوب ہونے کی خبر دیتی ہیں۔ اللہ والوں کی تو یہ پہچان ہے کہ وہ اس کی بار گاہ میں بار بار حاضر ہونے کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ پانچ نمازوں سے بھی ان کی محبت کی پیاس نہیں بجھتی۔ کبھی چاشت اور کبھی اشراق' کبھی صلوۃ اوابین اور کبھی صلوۃ تسبیح سے پیاس بجھاتے ہیں۔ وہ الذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما کی مجسم تفسیر ہوتے ہیں۔ ان کی راتیں اس عالم میں بسر ہوتی ہیں۔ کہاں یہ نفوس قدسیہ کو اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' پہلو بدلتے ہوئے آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی ان کی زبانیں اور ان کی روحیں ذکر الٰہی میں ڈوبی ہوئی ہیں اور کہاں و بندگان غفلت شعار اور گم گشتگان راہ کہ اپنے لائحہ عمل میں ذکر الٰہی کا سرے سے مذکور ہی نہیں۔ شتان ما بینھما

اب سوال یہ ابھرتا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ محض چند الفاظ کی تکرار سے شخصیت کے تمام گوشے متاثر ہونے لگتے ہیں اور قوت عمل جاگ اٹھتی ہے۔ محض زبان کو حرکت میں لانے سے جی کا غبار دھلنے لگتا ہے' روحانی بیماریاں چھٹنے لگتی ہیں اور عقیدہ و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہونے لگتی ہے۔ آخر اس کی علت کیا ہے؟

آیئے اسی دانائے سبل سے پوچھیں اور اسی کے فرمودات کی روشنی میں اس کا جواب تلاش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملکہ وغشیتھم الرحمتہ ونزلت علیھم السکینہ وذکرھم اللہ من عندہ (رواہ مسلم)

جب بھی کچھ لوگ اللہ کے ذکر کی خاطر مل بیٹھتے ہیں۔ فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں' رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے' سکینت ان پر نازل ہوتی ہے۔ اور خدا بھی ان کا ذکر کرتا ہے' ان سے جو اس کے پاس ہیں۔

آسمان سجدہ کند بہر زمینے کہ برد
یک دو کس یک دو زماں' بہر خدا بنشنند

ترجمہ! آسمان اس خطہ زمین کی تعظیم بجالاتا ہے' جس پر دو چار آدمی دو چار گھڑیوں کے لئے

محض اللہ کی خاطر بیٹھ جاتے ہیں"

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو لوگ محض اللہ کا ذکر کرتے ہیں انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے [illegible] اللہ کے رسول ﷺ نے سمجھا دیئے ہیں کہ ان پر رحمت و سکینت کا [illegible]

رحمت کی حقیقت

اس رحمت اور سکینت کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک جوہر ہے جس کا ورود قلب پر ہوتا ہے وہ جوہر جو تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلطان العارفینؒ نے نور الہدیٰ میں "کہ نزول انوار ہمہ اوصاف ذمیمہ را از قلب بروں کند" (انوار الٰہی کا عکس دل سے تمام روحانی بیماریوں کو اچک لیتا ہے)

وہ شخص ذکر کی حقیقت و روح سے یکسر محروم رہا جس نے سکینت سے مراد محض دلی سکون سمجھا اور رحمت کے جوہر سے آشنا نہ ہوا۔

پس یہ رحمت تمام روحانی بیماریوں کی دوا بھی ہے اور اللہ والوں کی روحانی غذا بھی۔ یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابیت یطعمنی ربی ویسقینی (متفق علیہ)

میں رات اپنے رب کے پاس بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے

تو اس سے مراد بھی روحانی رزق ہے جسے عامۃ الناس کو سمجھانے کے لئے کھلانے پلانے سے تعبیر کیا۔

رحمت و سکینت میں فرق

ذہن میں ایک استفہامیہ نشان یہ بھی ابھرتا ہے کہ رحمت و سکینت کے معانی میں حد فاصل کیسے کھینچی جائے۔ اگر یہ مترادف لفظ ہیں تو صرف غشیتہم الرحمۃ کہنا ہی کافی ہوتا ہے اور نزلت علیہم السکینۃ حشو و زوائد میں سے ہو اور اس افصح العرب ﷺ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ فالتو لفظ بولتے تھے، بہت بڑی بدگمانی ہے۔ قرآن و حدیث میں اسی قبیل کے متعدد الفاظ آئے ہیں۔

صلوٰۃ ، سلام ، رحمت ، برکت ، سکینت

ان کے معانی میں حد فاصل کھینچنے میں دقت ہوتی ہے۔

اگر چشم وا ہو تو عالم روحانی کی حقیقتوں پر یہ عالم آب و گل بھی دلالت کناں ہے، یہ مادی رزق جو

اللہ نے اپنی تمام مخلوق کے لئے پیدا کیا' جسے ملحد' زندیق' کافر' اسے گالیاں دینے والے' اس کے وجود سے انکار کرنے والے سبھی کھاتے ہیں' اللہ نے اس میں کس قدر تنوع پیدا کیا۔ سبزیوں اور پھلوں کی اقسام پر غور کیجئے۔ آم پیدا کئے تو اس کی بیسیوں قسمیں بنائیں' خربوزہ پیدا کیا تو ساتھ سردا اور گرما پیدا کیا۔ مختلف اقسام و انواع پھر ہر نوع میں تنوع در تنوع

پھر کیا اس رزق میں اللہ نے کوئی تنوع نہ رکھا جو اس نے اپنے عاشقوں اور محبوبوں کے لئے پیدا کیا۔۔ وہ رزق جو ان بندوں کے لئے پیدا کیا' جنہوں نے اس کی خاطر دو جہاں کو خیرباد کہا اور اس کی ذات کے لئے وقف ہو گئے کیا وہ ایک ہی قسم کی رحمت ہے جو اہل ذکر کی روح پر وارد ہوتی ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ نوامیس فطرت سے یکسر ناآشنا ہے۔ جب اس نے رحمت کی تخلیق کی تھی تو اس کی صفت خلاقی بھرپور جوش میں آئی تھی اور اس نے ان گنت رحمت کی قسمیں پیدا کیں۔ اتنی قسمیں جنہیں تم حیطہ شمار میں نہ لا سکو۔ یہ صلوۃ یہ سلام' یہ رحمت' یہ برکت' یہ سکینت یہ سب اس کی رحمت کی انواع و اقسام ہیں جو اہل اللہ کے سینوں پر وارد ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو اس لذت سے محروم ہیں' وہ لغت میں صلوٰۃ' سلام' رحمت' برکت اور سکینت کے معانی ڈھونڈتے ہیں اور جب اس کے معانی میں کوئی حد فاصل نہیں کھینچ سکتے تو پریشان ہوتے ہیں۔

عاشق نہ شدی ' محنت الفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامہ ہجراں چہ کشاید
من لم یذق حدق الھوی
لم یدر ما جھدا البلاء

ترجمہ! "جس نے عشق کی سوزش کا مزا نہیں چکھا ہے' اسے کیا خبر کہ محبت کی سختیاں جھیلنے میں کیا مزا ہے"

یہ بات تو سینے پر وارد ہونے کی ہے۔ زبانی سمجھانے کی نہیں ہے' کیفیت روحانی ہو' ذہنی ہو یا جسمانی۔ وہ محسوس تو کی جا سکتی ہے۔ مگر دوسرے کو سمجھائی نہیں جا سکتی۔ جیسے کسی آدمی نے آم نہ کھائے ہوں۔ آپ اسے ہزار سمجھائیں کی لنگڑے کی یہ لذت ہے' دسہری کی حلاوت ایسی ہے اور ٹپکے کا مزا ایسا ہوتا ہے وہ ان لذتوں کا فرق سمجھنے سے یکسر قاصر رہے گا۔

مقصد حیات اور عشق

(عبدالرشید ساہی)

شعر نمبر1

اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

مفکر اسلام علامہ اقبال اس شعر میں فرماتے ہیں کہ انسان جب تک عشق اختیار نہیں کرتا اس وقت تک وہ صرف اس محدود دنیا کو جو زیر آسمان ہے اور عناصر اربعہ سے مرکب ہے اپنی جولا نگاہ سمجھتا رہتا ہے اور اس کے ذہن میں صرف یہی دنیا سمائی رہتی ہے کہ بس پیدا ہوئے زندگی گذاری اور مر گئے حالانکہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ یہ زندگی محض لہو و لعب اور دھوکہ ہے اصل اور نہ ختم ہونے والی زندگی آخرت کی ہے' اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف میں ارشاد فرمایا۔ آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرمایئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاویں کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو" دنیا کی بے ثباتی کو جاننے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم خیال کریں کہ کہاں گئے ہمارے آباؤ اجداد' ماضی کے دریچوں میں جھانکنے سے نقشہ سامنے آجائے گا کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مقدور ہو تو پوچھوں خاک سے اے نسیم
تو نے وہ گنج ہائے گرا مایہ کیا کئے

اللہ تعالیٰ سورہ یونس میں ارشاد فرماتے ہیں وما یعذب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ترجمہ! اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں نہ آسمان" میں اگر اسی آیت پر یقین کامل ہو جائے تو برائی کا تصور ہی ختم ہو جائے اور دنیا جنت نظیر ہو جائے مگر افسوس صد افسوس علم اور عقل نے تو خوب ترقی کی ہے۔ مگر عشق حقیقی ناپید ہو چکا ہے۔

شعر نمبر2

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

علامہ اقبال اس شعر میں فرماتے ہیں جب عشق کی بدولت دل کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور وہ حسن مطلق کا مشاہدہ کرتا ہے تو کائنات کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آسمان جسے وہ محدہ جہات سمجھتا تھا اک نیلی چادر سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں یعنی آسمان اس کے لئے حد نظر نہیں رہتا بلکہ وہ بالائے آسمان بھی دیکھ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مومن جب بھی دیکھتا ہے میری بصیرت سے دیکھتا ہے اور خدائی بصیرت کا کوئی تصور نہیں کر سکتا اسی طرح مومن کی بصیرت کی پیائش بھی ناممکن ہو جاتی ہے علامہ فرماتے ہیں۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

دراصل ہر انسان میں خدا تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی ہے اور روح کو خدائے بزرگ و برتر نے اپنا حکم قرار دیا ہے اور خدائی حکم کا عقل سے احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے لیکن روح اس وقت تک انسان کے وجود میں زندہ رہتی ہے جب تک وہ خدائی احکامات کے تابع رہ کر زندگی بسر کرے جس وقت انسان خدائی قوانین سے بغاوت کرتا ہے تو روح مردہ ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمت اس انسان پر سے اٹھائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایک شیطان مقرر کر دیا جاتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے باغی کا ہر برا فعل اس کی نظر میں مفید اور بہتر کر کے دکھاتا ہے اور ایسا انسان کبھی بھی راہ راست پر نہیں آتا' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم جس کو بے راہ کر دیں اس کو اور کوئی بھی راہ راست پر نہیں لا سکتا صراط مستقیم بھی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر ہاتھ نہیں آ سکتا۔

شعر نمبر3

کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں رہ گیا
مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

اس شعر میں علامہ اقبال نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ابتدائی کیفیت بیان فرمائی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی یہی بیان فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے ستاروں کو پھر چاند کو اور پھر سورج کو قابل عبادت خیال کیا لیکن جب یہ سب اپنے اپنے وقت پر غروب ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کا شعور ان کے دل میں پیدا فرمایا کہ غروب ہونے والی کوئی چیز بھی معبود نہیں ہو سکتی بلکہ معبود ہونے کے لائق تو وہ ذات ہے جو ان سب کو کنٹرول کر رہی ہے اور اس کے بعد ان کا خدائے حی القیوم پر اعتقاد مضبوط ہو گیا علامہ اقبال نے بھی یہی واقعہ بیان کیا ہے کہ جب تک انسان کچھ عشق سے واقف نہیں ہوتا وہ سورج' چاند اور مشتری کو اپنا ہم عناں خیال کرتا ہے لیکن جب وہ عشق اختیار کرتا ہے تو اس میں اس قدر طاقت

پرواز پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ اجرام فلکی بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکتے اس کی نگاہ ان سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے اور وہ انسان خدا تعالیٰ کی ذات کو پہچان جاتا ہے۔ اور اپنے اصل مالک و خالق پر اس کا اعتقاد مضبوط ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ عشق انسان کو زمان و مکاں کی قید سے کیونکر آزاد کر دیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عشق حقیقی اختیار کر کے 'یا عاشق بن کر دیکھ لو یہ سمجھنے کی چیز نہیں بلکہ دیکھنے کی چیز ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

شعر نمبر4

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

میرے خیال میں علامہ اقبال نے اس شعر میں نبی مکرم و محترم ﷺ کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ کیا ہے علامہ فرماتے ہیں میرے خیال میں زمین و آسمان کی وسعت کو عبور کرنا ناممکن تھا کیونکہ اس وسعت کی پیمائش کا حساب نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ انسانی عقل و شعور سے ماوراء ہے لیکن نبی مکرم و محترم ﷺ نے نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگ دیا اور موئی مرضی اپنے اوپر مسلط کر لی تو یہ مسافت ایک ہی جست میں خدا تعالیٰ نے طے کروا دی یہاں تک کہ لحاف کی گرمی برقرار رہی کنڈی ہلتی رہی 'کوزے سے گرنے والا پانی بہتا رہا اور رحمت دو جہاں ﷺ اسی اثنا میں تمام آسمانوں کی سیر کرنے اور رب کائنات سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے بعد واپس بھی آگئے۔ بڑے غور کا مقام ہے دراصل نبی مکرم و محترم کی ذات اور اسم محمد ﷺ کی بدولت ہی کائنات میں زندگی ہے جب آپ ﷺ یہاں سے سفر کر کے آسمانوں کو گئے تو زمین کی نبض رک گئی اور جب آپؐ واپس تشریف لائے تو پھر وہیں سے آغاز ہوا رکا ہوا پانی بہنے لگا' کنڈی نے ہلنا شروع کر دیا' اور لحاف کی گرمی برقرار رہی اس راز کو علامہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

جب کوئی انسان اپنے آپ کو خدائی ضابطوں کا پابند بنا لیتا ہے اور اپنے اوپر خدائی احکام کو مسلط کر لیتا ہے تو کائنات میں اس کو خلیفہ ارضی کا مقام مل جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک (VIPPERSON) بن

جاتا ہے اس مقام خلافت پر فائز ہونے کے بعد اس کا بولنا خدا کا بولنا اور اس کا ہر فعل خدا تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کے مطابق ہوتا ہے یہاں اس مقام پر کم ظرف اور کم علم دھوکہ بھی کھا جاتے ہیں اور خدائی دعویٰ کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ مخلوق اور خالق میں کیا نسبت ہو سکتی ہے اختیارات تمام تر خدا تعالیٰ کے عطا کردہ ہوتے ہیں وہ جب اور جس وقت چاہے واپس لے لیتا ہے چونکہ یہ اختیارات عطائی ہوتے ہیں وادی عشق بہت دور ہے لیکن عشق حقیقی کی راہ پر مضبوطی سے قائم رہنے اور خدا تعالیٰ کے فضل شامل حال ہونے سے کبھی کبھی 100 سال کا رستہ سیکنڈوں میں طے ہو جاتا ہے۔

شعر نمبر 5

کہہ گئیں راز محبت پردہ دار یہائے شوق
تھی فغاں وہ بھی جسے ضبط فغاں سمجھا تھا میں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں میں نے اپنی محبت کو ضبط کے پردے میں بہت چھپایا لیکن میرے اخفائے محبت کا انداز کچھ ایسا تھا کہ راز محبت فاش ہو گیا یعنی جسے میں ضبط فغاں سمجھتا تھا وہ بھی فغاں ہی کی ایک صورت بن گئی۔ دراصل عشق ایک ایسا جذبہ ہوتا ہے کہ ہزار چھپانے سے بھی نہیں چھپایا جا سکتا اس کا اظہار ضرور ہو جاتا ہے عشق پردوں سے بے نیاز ہوتا ہے بعض اوقات ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ عاشق کو خود معلوم نہیں ہوتا لیکن یہ سر چڑھ کر بولتا ہے دراصل عشق میں اتنا جوش ہوتا ہے کہ اس میں ہوش کا کوئی کام نہیں ہوتا اسی لئے تو عاشق ایسے ایسے مقامات سے با آسانی گذر جاتے ہیں کہ عقل اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پا سکتی عشق الٰہی اور عشق رسول مقبول ﷺ میں دیوانہ ہو کر حضرت امام حسینؓ چند جانثاروں کے ہمراہ ان گنت یزیدی لشکر سے ٹکرا گئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ اسی عشق کی بدولت تن تنہا کفار کے ہزاروں کی تعداد میں لشکر میں جا گھستے اور آن واحد میں لاشوں کے ڈھیر لگا دیا کرتے عشق کی گرائمر میں ضبط نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ علامہ فرماتے ہیں۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

مومن کو عشق حقیقی میں ایسا سرور ملتا ہے کہ وہ تمام تر لذات دنیا کو ہیچ جانتا ہے اور ذات کبریا کے آئین میں محدود رہ کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے اسی عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر بادشاہوں نے حکمرانیوں کو ٹھوکریں مار دیں میاں محمد کھڑی شریف والے لکھتے ہیں۔

جس گھر دے وچ قدم مبارک عشق زور آور پاوے
دانش مند دیوانے ہوون ہوش آرام لے جاوے

شعر نمبر6

تھی کسی درماندہ رھرو کی صدائے درد ناک
جس کو آواز رحیل کارواں سمجھا تھا میں

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میں جس کو آواز رحیل کارواں سمجھا تھا وہ دراصل اس بدبخت مسافر کی صدائے دردناک تھی جس نے اپنا وقت غفلت میں ضائع کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قافلہ سے بچھڑ گیا۔ اور جب قافلہ روانہ ہو گیا تو اس نے دردناک آواز سے قافلہ کو پکارا کہ ذرا توقف کرو تاکہ میں بھی تمہارے ساتھ شامل ہو جاؤں دراصل علامہ اقبال نے رحیل کارواں کے پردہ میں انسان کی غفلت کا نقشہ کھینچا ہے جب تک وہ دنیا میں زندہ رہتا ہے سفر آخرت کی تیاری سے بالکل غافل رہتا ہے لیکن جب ملک الموت قبض روح کے لئے سر پر آن موجود ہوتا ہے تو ہر دنیا پرست اور عقبی سے غافل انسان زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ مجھے چند روز کی مہلت دو تاکہ میں اعمال حسنہ بجالا کر اپنے لئے زاد راہ مہیا کر لوں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد قرآن مجید میں واضح فرما دیا ارشاد ہوتا ہے "ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت، تابعداری کے لئے پیدا فرمایا" اب جو انسان خدا تعالیٰ کی عبادت نبی مکرم و محترم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کرتے ہیں وہ تو مقصد تخلیق کو کما حقہ پورا کر رہے ہیں لیکن جو خدا تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ بیٹھے ہیں وہ سراسر نقصان میں ہیں ان کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح فرما دیا ہے کہ جو انسان شیطان کی پیروی کریں گے میں ان سے دوزخ کو بھر دونگا ارشاد ربانی ہے " ان الذین کفروبایت اللہ لھم عذاب شدید ترجمہ! "بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کا انکار کیا ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا" علامہ اقبال فرماتے ہیں

ہارون نے کہا وقت رحیل اپنے پسر سے
جائے گا کبھی تو بھی اسی راہ گذر سے
پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلماں کی نظر سے

مغربی جمہوریت اور اسلام کا تصور حکومت

(محمد مسعود اکرم)

پچھلی کئی دہائیوں سے چند بڑی طاقتوں کے زیر اثر مختلف ذرائع عالم اسلام میں یہ تاثر پھیلانے کی کوششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی جمہوریت اسلامی طرز حکومت ہے۔ پروپیگنڈہ کی شدت کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ آج بہت سے ممالک میں مسلمانوں کی نئی نسل جمہوریت کو نصوص قرآنی کی طرح کوئی مقدس چیز تصور کرنے لگی ہے۔ اپنے آپ کو ترقی پسند کہلوانے کے خواہش مندان "سرخ و سفید" دانشوروں کو جن کے شب و روز غیر ملکی امداد کے محتاج ہیں' اس سلسلہ میں قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ ان کا تو کام ہی یہی ہے۔ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ امت مسلمہ کا وہ طبقہ جو کل تک دین اور سیاست میں کسی تفریق کا قائل نہ تھا۔ آج جمہوریت کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ واقعی اقتدار میں ایسی کشش ہے کہ یہ زاہد خشک کو بھی میخانے کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی جمہوریت اپنے مضمرات میں اور ہماری عقیدتوں کا محور تبدیل کرنے کی ناپاک سازش کا حصہ اول ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خلافت راشدہ کے درور میں اسلام کی سیاسی نظام کا بغور جائزہ لیں تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ مغربی جمہوریت اور اسلام کے تصور حکومت میں کس قدر یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے

حضور سرور کائنات ﷺ کی ہجرت کے فوراً بعد مدینہ منورہ میں ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ آپ بیک وقت مدینہ کے وزیر اعظم' سپہ سالار افواج اور چیف جسٹس تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ذات بابرکات کی موجودگی میں کسی اور قیادت کا سوال پیدا ہونا ناممکن تھا۔ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کاروبار سلطنت کو چلانے کے لئے جو نظام قائم کیا گیا اسے "نظام خلافت" کہا جاتا ہے خلافت کے معنی نیابت اور جانشینی کے ہیں یعنی جو شخص اسلامی سلطنت میں دین کے احکام کے نفاذ کے لئے حضور ﷺ کے جانشین کی حیثیت سے فرائض انجام دے وہ "خلیفہ المسلمین" ہے۔ خلیفہ کی حیثیت ایک نائب کی سی ہے۔ اسے ہر قدم پر قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ سامنے آجائے جس کا حل واضح طور پر قرآن و

حدیث میں موجود نہ ہو تو وہ علمائے اسلام کے "اجماع" پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ صرف اس صورت میں جب انسانی ذہن اپنی محدود صلاحیتوں کے باعث کسی مسئلہ کا حل قرآن و حدیث میں تلاش نہ کر پائے اور علمائے امت نے بھی اس مسئلے کے بارے میں اجماع بھی نہ کیا ہو تو خلیفہ وقت اپنے قیاس کے مطابق اجتہاد کر سکتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک طرف وہ کلام خداوندی ہے جس میں رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے ہر ضابطہ اور قانون موجود ہے دوسری طرف اسوہ رسول ﷺ ہے جو امت کے لئے کامل نمونہ ہے آخر ایسا کون سا مسئلہ ہے جس کا حل ان دونوں ذرائع سے معلوم نہ ہو پائے۔ بالفرض محال اگر ایسا ہو بھی جاتا ہے تو علمائے اکرام موجود ہیں ان سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے ان حالات میں خلیفہ کو اجتہاد کرنے کے کتنے مواقع میسر آسکتے ہیں اور کن کن معاملات میں وہ ذاتی قیاس کو ملکی قانون کی شکل دے سکتا ہے۔

اتنے محدود اختیارات رکھنے والے حکمران کے فرائض کو سمجھنے کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ تاریخی جملہ ہی بہت کافی ہے کہ "اگر نہر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمر اس کے لئے جوابدہ ہو گا" خلافت راشدہ کے دور میں ہمیں ایسے درجنوں واقعات ملتے ہیں جن میں نظام خلافت میں خلیفہ کی ذمہ داریوں کی وضاحت موجود ہے۔ اسی پاکیزہ نظام کا اعجاز ہے کہ مدینہ کی ایک بوڑھی اور محتاج عورت جناب عمرؓ جیسے عظیم فرمانروا سے انتہائی بے باک لہجے میں گفتگو کرتی ہے "اگر تمہیں میرے حالات کی کچھ خبر نہیں تو تمہیں حکومت کرنے کا کچھ حق حاصل نہیں ہے" اسی مبارک دور میں سلطنت اسلامیہ کی خاتون اول ایک بدو کی بیوی کی زچگی کے دوران دایہ کے فرائض انجام دیتی ہیں اور پھر چشم فلک یہ روح پرور نظارہ بھی دیکھتی ہے کہ وقت کا حاکم اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوریاں اٹھائے مستحقین کے گھروں تک پہنچا رہا ہے۔ بیت المقدس کا فاتح شہر میں داخل ہوتے ہوئے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے پیدل چل رہا ہے کہ سوار ہونے کی باری اس کے غلام کی ہے۔ جواب دہی کا نظام اس قدر سادہ کہ عین خطبہ جمعہ کے دوران ایک عام آدمی صحن مسجد میں کھڑا ہو کر سوال کرے کہ "اے عمرؓ تیرے پاس یہ کرتا کہاں سے آیا۔ مال غنیمت میں سے ہمیں جو کپڑا میسر آیا تھا۔ اس میں سے تیرا کرتہ نہیں بن سکتا"

گئے وقتوں میں غیر مسلم مفکرین خلافت کے نظام پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا کرتے تھے کہ خلیفہ کے انتخاب میں عوام الناس کا کردار بہت محدود ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے آج بھی خود کو مسلمان کہلانے والے بعض نام نہاد دانشور دبے لفظوں میں یہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔ خلیفہ وقت کے انتخاب کے عمل کا مطالعہ کرنے کے لئے 12 ربیع الاول 11 ہجری کو جناب رسالت مآب ﷺ کی رحلت کے جاں گداز سانحہ کو یاد کیجئے۔ وہ نفوس قدسیہ جن کو قدرت نے اپنے محبوب کی حمایت و نصرت کے لئے پسند فرمایا ایک جگہ جمع ہیں۔ حضور ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ زیر غور ہے مختلف تجاویز سامنے آتی ہیں بالآخر حضرت عمرؓ' جناب ابوبکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "لوگو یہ ہمارے خلیفہ ہیں' تم ان کے ہاتھ پر بیعت کرو" اس طرح تمام مہاجرین و انصار متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلافت کے لئے منتخب کر لیتے ہیں۔

تاریخ اسلام کا ایک اور ورق سامنے آتا ہے۔ 22 جمادی الثانی 13 ہجری کو جناب ابوبکر صدیقؓ وصال فرماتے ہیں۔ اپنی وفات سے پہلے آپؓ مدینہ کے تجربہ کار اور دانش مند لوگوں کو طلب کرتے ہیں اور باہمی مشاورت کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اپنی شہادت سے پہلے لوگوں کے اصرار کے باوجود اپنے صاحبزادے عبداللہؓ ابن عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ آپؓ صحابہ پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "عثمانؓ' علیؓ' طلحہؓ' زبیرؓ' عبدالرحمنؓ بن عوف' سعد بن ابی وقاصؓ ان میں سے جسے چاہو اپنا امیر منتخب کر لو" آپ کی شہادت کے بعد عامتہ المسلمین طویل صلاح مشورے کے بعد حضرت عثمانؓ کو منصب خلافت کے لئے منتخب کرتے ہیں۔

18 ذی الحجہ 35 ہجری کا دن ہے۔ مدینتہ الرسول کی زمین خون عثمانؓ سے گلرنگ ہے۔ اہل مدینہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ کو عہدہ خلافت قبول کرنے کے لئے مجبور کر دیتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے زمانے کے ان تمام واقعات سے اسلام کے نظام حکومت کی جو خصوصیات واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

1۔ کوئی شخص خلافت کے منصب کے لئے خود کو بطور امیدوار پیش نہیں کر سکتا۔ یہ صائب

ان اسے لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ خلافت کے عہدہ کے لئے کسے موزوں تصور کرتے ہیں۔

2۔ خلیفہ کے انتخاب میں عام شہری رائے دہندہ نہیں ہوتا بلکہ علم و عمل میں ممتاز اور تجربہ کار افراد باہمی مشاورت سے یہ فیصلہ کرتے ہیں۔

3۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ ایک انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے کہ اپنے بعد اپنی اولاد کو حکومتی مناصب کے لئے نامزد کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ ثانیؓ نے حضرت ابن عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کرنے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ جناب ابن عمرؓ کسی اعتبار سے خلافت کے منصب کے لئے نااہل نہ تھے

4۔ اس انکار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حتی المقدور کوشش یہ ہونی چاہئے کہ امت کے سب سے بہتر فرد کو منصب خلافت کے لئے چنا جائے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ایک عالم، متقی اور شجاع نوجوان تھے مگر کسی طور پر حضرت عثمانؓ سے زیادہ خلافت کے مستحق اور اہل نہ تھے یعنی اہلیت عہدہ خلافت کے لئے ایک نہایت اہم معیار ہے۔

5۔ خلیفہ وقت کے لئے لازم ہے کہ وہ امت اسلام کے ہر فرد کے حالات سے آگاہ رہے اور محتاج کے دست سوال دراز کرنے سے پہلے بیت المال سے اس کی ضروریات کو پورا کرے۔

6۔ خلیفہ عوام کا حاکم نہیں خادم ہوتا ہے۔ خلیفہ اور عام شہری میں کوئی امتیاز نہیں جو حقوق اسے حاصل ہیں وہی حقوق عام شہری کے بھی ہیں۔

اسلامی تصور حکومت کے برعکس مغربی جمہوریت میں صدر یا وزیر اعظم کی ذات اختیارات کا منبع ہے۔ پارلیمنٹ طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اگر آپ پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت رکھتے ہیں تو آپ دن کو رات اور سیاہ کو سفید ثابت کر سکتے ہیں۔ ملکی قانون میں کوئی بھی دل پسند تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ خواہ اس کا مقصد ذات کاروبار کو فروغ دینا ہی ہو۔ صدر مملکت کی ذات عدالت میں حاضری سے بالاتر ہے۔ قانون کی عملداری قائم کرنے کے لئے انتظامیہ کے کسی بھی فعل پر معزز ارکان اسمبلی کا استحقاق اچانک مجروح ہو جاتا ہے۔ عام آدمی تو دور کی بات' بڑے بڑے وزیروں اور مشیروں میں وزیر اعظم کے سامنے زبان کھولنے اور سچ بولنے کی جرات نہیں ہوتی۔ ان قباحتوں کے

باوجود یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جمہوریت اسلامی طرز حکومت ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مغربی جمہوریت کے مداح اس کی درج ذیل "کرامات" سے واقف ہونے کے باوجود اسے اولاد آدم کے لئے تحفہ آسمانی قرار دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

1۔ جمہوری نظام میں وزیر اعظم سے لے کر اسمبلی کی عام نشست تک ہر عہدہ کے لئے کئی کئی لوگ اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی کامیابی کے لئے ہر ناجائز حربہ استعمال کرتے ہیں۔ تیسری دنیا کے اکثر ممالک میں انتخابات میں کامیابی کے لئے حسن کردار اور نیک شہرت سے زیادہ ضروری چیز روپیہ ہے۔ یہ روپیہ کن ذرائع سے حاصل ہوا۔ جمہوریت کو اس سے کوئی غرض نہیں۔

2۔ اس نظام کی سب سے بڑی خرابی کو آج اس کی سب سے بڑی خوبی قرار دیا جا رہا ہے کہ اس میں ہر آدمی کی رائے یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ ایک ایسا آدمی جس کی ساری زندگی تحصیل علم میں گزری ہو' جس نے اپنے علاوہ سینکڑوں' ہزاروں لوگوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا ایک ووٹ دینے کا حق رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک جاہل مطلق جو آئے روز سماج میں نت نئی خرابیاں پیدا کرتا ہے' جس کا وجود اس زمین پر ایک بوجھ ہے' ایک ووٹ دینے کا مستحق ہے۔ ایک عالم دین اور ایک مرتد یا ملحد رائے دینے میں برابر ہیں تاریخ شاہد ہے کہ جمہوریت کی یہ خصوصیت بعض اوقات انتہائی بھیانک نتائج سامنے لاتی ہے ایک ایسے ملک میں جہاں شرح خواندگی 25 فی صد سے بھی کم ہے آپ اکثریت سے درست فیصلے کی توقع کیسے رکھ سکتے ہیں؟ اس نظام میں جب 51 فیصد لوگ خود کشی کا ارادہ کر لیتے ہیں تو باقی 49 فی صد کو بھی ان کے ساتھ حرام موت مرنا پڑتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک لافانی شعر کہا تھا جسے آج کل ان کے مغرب پسند نام لیواؤں نے متروکات سخن میں داخل کر رکھا ہے۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

3۔ تیسری دنیا کے 90 فی صد ممالک میں جمہوریت بادشاہت کا روپ اختیار کر چکی۔ پاکستان'

انڈیا، بنگلہ دیش، سری لنکا اور جانے کتنے ہی دوسرے ممالک ہیں "شاہی خاندان" وجود میں آچکے ہیں۔ باپ کے بعد بیٹا اور ماں کے بعد بیٹی حکومت پر اپنا حق اس انداز میں جتاتے ہیں جیسے یہ ان کے بزرگوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد ہو اور عوام کی اکثریت جو یورپ کے مکروہ معاشی نظام کے ہاتھوں پچلی ہوئی ہے۔ اپنی جہالت کے سبب انہی شہزادوں اور شہزادیوں کو بار بار ووٹ کے ذریعے خود یہ حکومت کرنے کا حق دیتی رہتی ہے۔

ب۔ یہ جمہوریت ہی کا کرشمہ ہے کہ ہر اعتبار سے نااہل ترین افراد قوم کی نمائندگی کرنے کے لئے منتخب ہو جاتے ہیں۔ وطن عزیز میں آج کتنے ہی ایسے لوگ وزارتوں اور سفارتوں پر قابض ہیں جو اسلام کی بنیادی اخلاقی اقدار سے بھی ناواقف ہیں۔

ج۔ عوام کو "آئیڈیل گورنمنٹ" دینے کی دعویدار مغرب کی نام نہاد فلاحی ریاستوں میں آج بھی کتنے لوگ روزانہ بھوک، افلاس اور بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کر لیتے ہیں اور حکومت ان کے حالات سے بے خبر رہتی ہے۔

عوام کی خدمت کرنے کے لئے منتخب ہونے والے نمائندے اپنے لئے قیام و طعام، سفر اور علاج معالجے کی وہ سہولیات مخصوص کر لیتے ہیں کہ غریب تو غریب کوئی اچھا خاصہ سرمایہ دار بھی ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ جس ملک کے عوام دو وقت کی روٹی کے لئے پریشان ہیں اسی ملک کے حکمرانوں کے ذاتی کچن کا خرچہ لاکھوں اور کروڑوں تک جا پہنچتا ہے۔ مغربی جمہوریت اور اسلامی خلافت کے اس تقابلی جائزہ کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مروجہ جمہوری نظام اور اسلام کا تصور حکومت دو متضاد چیزیں ہیں۔ مغربی جمہوریت اسلامی طرز حکومت ہونے کی بجائے عالم اسلام کے لئے ایک اجنبی اور "امپورٹیڈ" نظام ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اکثریت کے فیصلے کو درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ میدان کربلا میں اکثریت امام حسینؓ کی بجائے یزید کے ساتھ تھی۔ آخر میں ہم اپنے ملک کے "جمہوریت پرست طبقہ" سے صرف ایک سوال کرنا چاہیں گے کہ کیا جدید دنیا کی بڑی سے بڑی جمہوری حکومت اپنے شہریوں کو وہ مراعات اور سہولیات فراہم کر سکتی ہے۔ جو سلطنت مدینہ کے عوام کو حاصل تھیں؟

کارگل کے اس پار کا وزیر

(عبدالقادر حسن)

بھارت میں ریلوے کا ایک بہت بڑا حادثہ ہوا ہے جس میں سینکڑوں مسافر ہلاک ہو گئے ہیں۔ اس حادثے کے نتیجے میں بھارتی ریلوے کا وزیر مستعفی ہو گیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ میں استعفیٰ دے کر اپنے آپ کو سزا دے رہا ہوں۔ میرے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہ میں اپنے محکمے کی اس نااہلی پر استعفیٰ دے دوں۔ اس سے قبل کئی برس پیشتر بھارت میں ریلوے کا ایک حادثہ ہوا تھا اور اس وقت کے ریلوے کے وزیر غالباً" لال بہادر شاستری بھی جو بعد میں وزیر اعظم بھی بنے اور تاشقند میں معاہدہ کی خوشی سے انتقال کر گئے تھے اپنی وزارت سے مستعفی ہو گئے تھے۔ پاکستانیوں نے اس وقت بھی یہ خبر شرمندگی' رشک اور حسد کے جذبات سے سنی تھی اور آج بھی وہ بھارت کے اس فرض شناس وزیر کی ذمہ داری پر رشک کر رہے ہیں۔ شاستری کے استعفیٰ پر پاکستان میں ایک بحث بھی چلی تھی اور پاکستان کے وزیروں نے شاستری کو احمق کہا تھا ایک وزیر ہو اور ساتھ ہی فرض شناس اور ذمہ دار بھی ہو تو وہ احمق ہی ہو سکتا ہے۔ کوئی وزیر موصوف اگر کسی کانٹے والے کی غلطی پر مستعفی ہو تو اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ریلوے کے اس ادنیٰ ملازم کی غلطی کی ذمہ داری اس محکمہ کے اعلیٰ ترین شخص پر عائد ہو سکتی ہے۔ مستعفی تو کانٹے والے کو ہونا چاہئے جس کی غلطی سے دو ٹرینیں ٹکرا گئیں اور سینکڑوں مسافر جان سے گزر گئے۔ دلی میں بیٹھے ہوئے وزیر کا اس سے کیا تعلق لیکن بھارت کا یہ وزیر چونکہ اپنے آپ کو وزارت کے ہر ملازم کی بہتر کارکردگی کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ اس لئے کسی ملازم کی ناقص کارکردگی پر اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس نے اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا نہیں کیا۔ کوئی کوتاہی کی ہے اس لئے اب اسے وزارت پر ڈٹے رہنے کا حق نہیں رہا اور اس وزارت سے الگ ہونا ہی اس کے لئے نجات کا واحد راستہ ہے۔ بھارتی وزیر کو اس کے ضمیر کی خلش نے چین نہیں لینے دیا۔ وہ ریلوے کے مسافروں کو تو زندہ نہیں کر سکتا لیکن اپنے بے چین اور مضطرب ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کر سکتا ہے جو اس نے کر لی۔ اس کا ایک فوری نتیجہ تو یہ نکلا ہو گا کہ بھارتی ریلوے کا ہر ملازم اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا ہو گا۔ شرمندگی اور ندامت کی ایک لہر ہو گی جو بھارت کے ہر سرکاری ملازم خصوصاً" ریلوے کے ملازمین میں دوڑ گئی ہو گی۔ مرنے والے مر گئے مگر وہ جس احساس کو ریلوے ملازمین میں زندہ کر گئے اس کو دنیا یاد رکھے گی۔ دنیا کے جس انسان نے بھی یہ خبر سنی ہو گی وہ اس

بھارتی وزیر کے احترام میں کھڑا ہو گیا ہو گا۔ بھارت پاکستان کا دشمن نمبر ایک ہے۔ ہمیں اپنے دشمن سے کوئی سبق بھی سیکھنا چاہئے اور ایسے اعمال سے ظاہر ہونے والی اس کی طاقت کا اندازہ بھی لگا لینا چاہئے اس طاقت کا مقابلہ کسی بم سے نہیں ایسے ہی کسی عمل اور فرض شناسی اور ذمہ داری کی مثال سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں بھی ریلوے کے بڑے حادثے ہو چکے ہیں اور سڑکوں پر ہر روز بڑے بڑے حادثے ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمارے کسی وزیر کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ ایک ناکام وزیر ہے اور اسے اب اس وزارت پر جمے رہنے کا مزید کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ہم مرنے والوں کے ورثاء کے لئے فوراً" معاوضوں کا اعلان کرتے ہیں اور ان کی قیمت لگا کر انہیں ادا کر دیتے ہیں یعنی ہمارے کسی وزیر کی فرض شناسی کی چپت بھی قومی خزانے کو پڑتی ہے وزیر صاحب یہ نہیں کہتے کہ وہ اپنی تنخواہ میں سے ایک پیسے کی قربانی بھی دیں گے کیونکہ ہمارے ہاں وزیر بننے کا مفہوم ہی جدا ہے۔ کون وزیر ہے جس کی وزارت میں مالی گھپلے سامنے نہیں آتے اور بعض دفعہ الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ وزیر صاحب خود بھی اس میں ملوث ہیں۔ لیکن کسی وزیر کے ضمیر کو ہلکی سی لرزش بھی محسوس نہیں ہوتی۔ بھارتی وزیر کے استعفیٰ کی خبر ہمارے وزارتی حلقوں میں حماقت سمجھ کر سنی گئی ہو گی لیکن ذمہ داری کا یہ سبق تو ہمارے فرض شناس اور خوف خدا رکھنے والے حکمرانوں نے دنیا کو سکھایا تھا جن کا آج ذکر کیا جائے تو طعنہ ملتا ہے کہ تم لوگ ہمیں اونٹ اور کھجور کے زمانہ میں لے جانا چاہتے ہو مگر اس کا کیا کیا جائے کہ بنیادی اصول اور انسانی ضمیر آج بھی وہی ہے جو صدیوں نہیں ہزاروں برس پہلے تھا' انسان کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل نہ قدیم ہے نہ جدید غم اور خوشی جیسے وہ ابتدائے آفرینش سے محسوس کرتا تھا آج بھی ایسے ہی محسوس کرتا ہے۔ کینیڈی جو تیر کے غم میں نڈھال امریکی انہی جذبات سے مغلوب ہوئے ہیں جن سے کوئی قدیم ترین انسان ہوا کرتا تھا۔ انسانوں کے دلوں کے اندر ذمہ داری کا احساس اور ضمیر کے سامنے جوابدہی نہ قدیم ہے نہ جدید ہے۔ عمر فاروق ؓ اپنی قلمرو میں ایک دور دراز مقام پر کسی کتے کی بھوک کا اپنے آپ کو جس طرح ذمہ دار سمجھتے تھے اسی طرح آج ایک بت پرست ہندو انسانوں کی موت کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا ہے۔ ذمہ داریوں اور ضمیر کی جوابدہی کا جو سبق دنیا کو ہم نے دیا تھا وہ اب سوائے ہمارے سب کو یاد ہے۔ قوموں کی طاقت کا راز اسی ذمہ داری کے احساس میں ہے۔ آپ ناراض نہ ہوں اگر میں یہ کہوں کہ ہمارے تمام وزراء اس ہندو وزیر پر قربان۔ کارگل کے اس پار وزیر نے ہمیں شرمندہ کر دیا۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ)

امام شافعیؒ اور عیسائی علماء

(ایم محمد اکرم)

خلافت عباسیہ کے زمانے میں رومی سلطنت کے کچھ علاقے اسلامی حکومت کے زیر اثر آگئے تھے اور وہ خلیفہ وقت کو جزیہ ادا کرتے تھے۔ یہ بات عیسائی بادشاہ کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔ چنانچہ رومی حکومت نے اپنے عیسائی علماء اور پادریوں کا ایک گروہ خلیفہ وقت کے پاس بغداد بھیجا کہ آپ کے مسلمان علماء ان پادریوں سے مناظرہ کریں۔ اور اگر آپ کے علماء مناظرے میں ہار گئے تو ہم آئندہ سے جزیہ نہیں دیں گے۔ اور عیسائی پادری گھر سے یہ طے کرکے آئے تھے کہ ہم نے کسی صورت میں شکست نہیں ماننی بلکہ ان کی ہر دلیل کو ماننے سے انکار کردیں گے خلیفہ کو فکر دامن گیر ہوا کہ یہ جزیہ کی بات نہیں ہے بلکہ اسلام کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ چنانچہ آپ نے قاضی القضاۃ اور بڑے علماء کو بلایا اور مناظرے کے لئے پیش کردیا۔ مناظرے میں مسلمان علماء جو بھی حجت اور دلائل پیش کریں عیسائی پادری ماننے سے انکار کردیتے تھے۔ پھر وہ اور دلائل پیش کرتے عیسائی علماء ان کو بھی رد کردیتے۔ اس طرح کوئی بات نہ بن سکی۔ اگلے روز خلیفہ نے اور بڑے بڑے محقق اور فقیہہ علماء کو بلایا۔ لیکن وہ جو بھی دلیل پیش کرتے عیسائی پادری ان سب کو رد کرتے چلے جاتے۔ (چونکہ عیسائی پادری یہ طے کرکے آئے تھے کہ ہم نے ان کی کوئی بات ماننی ہی نہیں) اس لئے وہ ہر دلیل سے انکار کردیتے تھے۔ اس صورت حال سے خلیفہ کو بہت تشویش ہوئی اور بڑی پریشانی میں پھنس گیا۔ چنانچہ خلیفہ نے عام اعلان کرا دیا کہ جس کسی کو کوئی بڑا محقق اور عالم دین نظر پڑے اسے دربار خلافت میں پیش کیا جائے ان دنوں امام شافعیؒ ابھی امام نہیں کہلاتے تھے بلکہ صرف شافعیؒ تھے۔ اگرچہ جوانی کا عالم تھا مگر علمی اور روحانی لحاظ سے کامل ہو چکے تھے عام شہرت نہ تھی مگر بغداد کے افق پر ایک محقق اور عالم دین کی حیثیت سے ابھر رہے تھے اور آپ کی مقبولیت آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ چنانچہ آپ کو سمجھنے والے لوگوں نے آپ کو مناظرہ کے لئے دربار خلافت تک پہنچا دیا۔ خلیفہ نے آپ کو ساری صورت حال سمجھادی۔ اور آپ عیسائی پادریوں سے مناظرہ کے لئے تیار ہو گئے۔ جب آمنا سامنا ہوا اور مناظرہ شروع ہوا تو وہی کیفیت یعنی امام شافعیؒ جو بھی برہان اور حجت پیش کریں وہ ماننے سے انکار کردیں۔ امام صاحب نے سوچا کہ یہ یوں نہ مانیں گے۔ ان کو دریا پر چلنے کو کہا کہ وہاں جاکر ان سے بات کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ عیسائی پادریوں کی معیت میں دریا پر پہنچے۔ دریا کے کنارے عیسائی پادری کھڑے تھے امام صاحب نے دریا کے بہتے پانی پر مصلی بچھایا اور اوپر بیٹھ گئے اور عیسائی پادریوں کو دعوت دی کہ یہاں آؤ یہاں بیٹھ کر مناظرہ کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عیسائی پادری جو بڑی چالاکی، مکاری اور ڈھٹائی سے مناظرہ کر رہے تھے اب منہ میں انگلیاں دبائے حیران و ششدر کھڑے تھے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ (ماخوذ از تاریخ اسلام)

پروگرام اور تقدیر

(ڈاکٹر ہلوک نور باقی)

الذی خلق فسوی O والذی قدر فھدی (الاعلیٰ 87 آیت نمبر2'3)

ترجمہ! "جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی"

ہم ان آیات مبارکہ کو تین طریقوں سے واضح کرسکتے ہیں۔

(الف) اس نے حکم دیا اس نے پیش کردیا۔

(ب) اس نے قسمت دی۔ اس نے تقدیر مہیا کی اور مکمل کردی۔

(ج) اس نے پروگرام بنایا اور اس پروگرام کی تکمیل کو آخر تک پہنچادیا۔

یہ آیت وہ بنیادی قانون ہے جس پر علم طبیعیات اور علم حیاتیات کا انحصار ہے۔ یہ ایسی سائنسی سچائی بیان کرتی ہے جس کے ادراک کے بغیر طبیعی اور حیاتیاتی عجائبات کو سمجھنا ناممکن ہے۔ ان دونوں سائنسی علوم کے لئے بھی اس کے رازوں کو سمجھنا صرف پچھلے پندرہ سالوں ہی میں ممکن ہوسکا ہے۔

سورۃ الاعلیٰ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے جن کے معنی ہیں تسبیح کرو (شان بیان کرو) اس رب برتر کی جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ اس کے فوراً بعد یہ آیت مبارکہ آتی ہے۔ چنانچہ اللہ پہلے پیدا کرتا ہے۔ خوبصورت متناسب بناتا ہے۔ اس کے بعد پہلے تو اس کا پروگرام تیار ہے (حکم کرتا ہے اور تقدیر بناتا ہے) پھر اپنی رحمت کے طفیل آخر تک رہنے والے پروگرام کو ایک تحفہ کے طور پر عطا کرتا ہے۔

چنانچہ آجکل کی نسبت سے یہ تیسری آیت تمام چھوٹی بڑی مخلوق کی زندگیوں کی کہانی بیان کرتی ہے۔ آیئے ان متعدد حیران کن عجوبوں میں اس آیت کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس حقیقت کا مشاہدہ کریں کہ یہ آیت کس طرح علم طبیعیات اور علم حیاتیات کا ایک بنیادی قانون ہے۔

1۔ ایٹموں اور سالموں کی داستان حیات

ایک ایٹم ایک مخصوص چارج کے مرکزہ کے گرد مخصوص تعداد کے منفی چارجوں کا حامل ہوتا ہے۔ مگر ایک عنصر آکسیجن جب کہ دوسرا عنصر کاربن کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ نے ہر ایٹمی مرکز کا پروگرام بنایا ہوا ہے اور اس طرح ان کے اردگرد موجود توانائی کے محوروں کا بھی پروگرام بنایا ہوا ہے۔ ان خولوں (SHELLS) میں مقرر کردہ رفتاروں کے ساتھ مخصوص تعداد میں منفی چارجوں یعنی الیکٹرانوں کا پروگرام بھی بنا دیا گیا ہے۔

قادر مطلق کی رحمت ہے کہ اس پروگرام کو ایک تحفہ کے طور پر بروئے کار لایا جائے اور وہ اس بات کی ضمانت بھی دیتا ہے کہ اس کا دیا ہوا پروگرام پورا ہو جائے گا چنانچہ ایٹموں کو خدائی قانون سے علیحدہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

مشہور ماہر طبیعیات ورنر ہائزنبرگ (HEISENBERG) کے "اصول بے یقینی" (PRINCIPLE OF UNCERTAINTY) کے مطابق یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ایٹمی مرکزہ میں وقوع پذیر ہونے والے انفرادی طبعی وقوعے کے متعلق کوئی پیش گوئی کی جا سکے۔ پھر یہ جواہر (ایٹم) اپنی حیثیت کس طرح برقرار رکھے رہتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے شروع ہی سے ان کا پروگرام بنا دیا ہے اور وہی اس امر کا خیال رکھتا ہے کہ یہ ایٹم اپنا مقصد پورا بھی کریں۔ یہاں یہ صاف طور پر نظر آتا ہے کہ کس طرح بغیر پیشگی احساس یا علم کے دنیا کے ایک مشہور ماہر طبیعیات اس آیت کریمہ کی سچائی کو ثابت کر رہا ہے۔

2۔ نامیاتی خلیے (ORGANIC CELLS)

جیسا کہ میں نے ایک اور آیت کی تشریح کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ زندگی کی کہانی دراصل پروگرام مہیا کرنے کا معاملہ ہے۔ مثلاً "ایک پودے' ایک کیڑے اور ایک بھیڑ جو ایک دوسرے سے بے حد مختلف مخلوقات ہیں' کے اختلاف میں مضمر ہے۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی تعمیراتی بلاک کا خلیہ جو دماغ میں ہو یا ایک پھول یا ایک تتلی میں ہو' ایک ہی سا ہوتا ہے یہ تمام (DNA) کے خولوں میں داخل کئے گئے پروگراموں کے اختلاف میں مضمر ہے۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی تعمیراتی بلاک

کا خلیہ جو دماغ میں ہو یا کسی پھول یا ایک تتلی میں ہو' ایک ہی سا ہوتا ہے وہ ان کی جینی اکائیوں کے ریاضیاتی پروگراموں میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ رب العالمین نے ہر ایک کو ایک مخصوص تقدیر عطا کی ہوئی ہے اور اس تقدیر کے حصول میں مدد دی جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم حیاتیات کی سائنس بھی حالیہ سالوں ہی میں پہنچی ہے اور دھیرے دھیرے اس نے آیت کریمہ میں بیان کردہ بنیادی قانون کا شعور حاصل کرنا شروع کیا ہے۔ اس سے پہلے ان اختلافات کو وجودیت یا جسمانی ڈھانچے میں پیدا ہونے والے فرق کی وجہ سمجھا گیا۔ چنانچہ ہزاروں گمراہ دانشوروں کو نظریہ ارتقاء کے فضول نظریے کے تعاقب میں دوڑایا گیا۔ اگر ایک سو سال قبل ہی سائنس کو قرآن میں موجود اس سائنٹفیک قانون کا علم ہو جاتا تو لاکھوں لوگوں کے ذہن ہر روز اس بے معنی مادہ پرستی کے زہر سے آلودہ نہ ہوتے اور دنیا آج کے خطرناک توہمات میں نہ پھنسی ہوتی۔

3۔ ستارے (کرے) کہکشائیں اور ان کے خدائی پروگراموں کی تقدیر

پہلے پہل یہ سمجھا جاتا تھا کہ سیاروں کی تشکیل (NOVAE) نوتارا (ایک ستارہ جو اپنے مادے کا یہ ایک حصہ گیسی بادل کی صورت میں خارج کرتا ہے) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بعد میں یہ دریافت ہوئی کہ کہکشائیں (جو اربوں ستاروں پر مشتمل ہوتی ہیں) ان نیم نجمی ریڈیائی منبوں کوثرز میں بنتی ہیں۔ جو کہکشاؤں کے لئے بیجوں کا کام دیتی ہیں۔ ایک پروگرام شدہ (حکم شدہ) کہکشاں بجائے خود کوثرز میں ایک بیج کی طرح تیار ہو کر انتظار کرتی ہے اور جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تب یہ کہکشاں جیسے جوبن میں آکر اس طرح کھل اٹھتی ہے کہ جس کے اندر لاتعداد اربوں سیارے ہوتے ہیں۔

اب دیکھئے کہ کس طرح اس آیت کی تفسیر تخلیق کو بیان کرتی ہے۔ وہ (اللہ) پروگرام بناتا ہے (پہلے سے حکم دیتا ہے) اور ایک تحفے کے طور پر ودیعت کرتا ہے (جو اس کے حصول کی طرف لے جاتا ہے) جب انسان کے سامنے قرآن میں بیان کئے گئے تخلیق سے متعلق سائنسی اور معجزاتی طور پر شاندار قوانین آتے ہیں تو وہ اللہ کے سامنے سر بسجود ہو جاتا ہے۔

اللہ اکبر..... دنیا میں ہر وقت گونجنے والی آواز

(یاسمین شرافت)

دنیا میں ہر وقت گونجنے والی صدا اذان ہے۔ اگر دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ اسلامی ممالک میں انڈونیشیا کرہ عرض کے عین مشرق میں واقع ہے۔ یہ ملک ہزاروں جزیروں پر مشتمل ہے۔ جن میں جاوا' سماٹرا اور بورنیو بڑے بڑے جزیرے ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے انڈونیشیا گنجان آباد ہے اور اس کی آبادی 18 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ طلوع سحر سیبلنز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوتی ہے۔ طلوع سحر کے ساتھ ہی انڈونیشیا کے انتہائی مشرقی جزائر میں فجر کی اذان شروع ہو جاتی ہے اور بیک وقت ہزاروں موذن اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اعلان کرتے ہیں۔ مشرقی جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ بعد جکارتہ کے بعد یہ سلسلہ سماٹرا میں شروع ہو جاتا ہے اور سماٹرا کے مغربی قصبوں اور دیہات میں اذانیں شروع ہونے سے پہلے ہی ملایا کی مسجدوں میں اذانوں کا یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہ ایک گھنٹہ بعد ڈھاکہ پہنچتا ہے۔ بنگلہ دیش میں ابھی یہ اذانیں ختم نہیں ہوتیں کہ کلکتہ سے سری لنکا تک فجر کی اذانیں شروع ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف سے یہ سلسلہ کلکتہ سے ممبئی کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید و رسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے۔ سری نگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا وقت ایک ہی ہے۔ سیالکوٹ سے کوئٹہ کراچی اور گوادر تک چالیس منٹ کا فرق ہے۔ اس عرصے میں فجر کی اذان پاکستان میں بلند ہوتی رہتی ہے۔ پاکستان میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں یہ

اذانیں شروع ہو جاتی ہیں۔ مسقط سے بغداد تک ایک گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس عرصے میں اذانیں سعودی عرب' یمن' متحدہ عرب امارات' کویت اور عراق میں گونجتی رہتی ہیں۔

بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اس وقت شام' مصر' صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی ہیں۔ اسکندریہ اور استنبول ایک ہی طول و عرض پر واقع ہے۔ مشرقی ترکی سے مغربی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے۔ اس دوران ترکی میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اس عرصہ میں شمالی افریقہ میں لیبیا اور تیونس میں اذانوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ فجر کی اذان جس کا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے ہوتا ہے۔ ساڑھے نو گھنٹے کا سفر طے کر کے بحر اوقیانوس کے مشرقی کنارے تک پہنچتی ہے۔ فجر کی اذان بحر اوقیانوس تک پہنچنے سے پہلے مشرقی انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذانیں شروع ہو جانے تک مشرقی انڈونیشیا میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں یہ سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بمشکل جکارتہ تک پہنچتا ہے کہ مشرقی جزائر میں مغرب کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے۔ مغرب کی اذانیں سیبلز سے ابھی سماٹر تک ہی پہنچتی ہیں کہ اتنے میں انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں عشاء کی اذانیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ کرہ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جب ہزاروں اور سینکڑوں موذن اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کا اعلان نہ کر رہے ہوں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ (مرسلہ۔ وحید احمد)

قضا نماز پڑھنے کا بیان

(حافظ محمد یاسین)

کوئی فرض یا واجب نماز اپنے مقرر وقت پر ادا نہ کی جا سکی' اور وقت گزرنے کے بعد پڑھی جا رہی ہے تو اس کو قضا پڑھنا کہتے ہیں۔ اور اگر وقت کے اندر پڑھی جا رہی ہے تو اس کو ادا کہتے ہیں۔

قضا نماز کا حکم

1۔ فرض نماز کی قضا فرض ہے اور واجب یعنی وتر کی قضا واجب ہے۔

2۔ نذر اور منت کی مانی ہوئی نماز کی قضا بھی واجب ہے۔

3۔ نماز شروع کر دینے کے بعد واجب ہو جاتی ہے' اگر کسی وجہ سے نفل نماز فاسد ہو جائے یا شروع کر دینے کے بعد کسی وجہ سے نماز توڑنی پڑ جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔

4۔ سنت موکدہ اور نوافل کی قضا نہیں ہے' البتہ فجر کی سنتیں چونکہ بہت اہم ہیں اور حدیث میں ان کی بہت تاکید آئی ہے اس لئے ان کا حکم یہ ہے کہ اگر فجر کے فرض اور سنت دونوں قضا ہو گئے ہوں تو زوال سے پہلے پہلے دونوں کی قضا پڑھی جائے اور زوال کے بعد قضا پڑھنے کی صورت میں صرف فرض کی قضا پڑھی جائے۔ سنت کی قضا نہ پڑھی جائے اور اگر فجر کے فرض وقت پر پڑھ لئے ہوں اور صرف سنتیں رہ گئی ہوں' تو یہ سنتیں سورج نکل آنے کے بعد زوال سے پہلے پڑھی جا سکتی ہیں۔ زوال کے بعد نہیں اس کے علاوہ کوئی سنت یا نفل نماز وقت پر نہ پڑھی جا سکے تو اس کی قضا واجب نہیں ہے۔

5۔ ظہر کی وہ سنتیں جو فرضوں سے پہلے پڑھی جاتی ہیں کسی وجہ سے نہ پڑھی جا سکی ہوں تو فرضوں کے بعد پڑھی جا سکتی ہیں۔

ان سنتوں کو فرضوں کے بعد کی دو سنتوں سے پہلے پڑھنا بھی جائز ہے اور بعد میں بھی صحیح ہے' البتہ ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد ان کی قضا واجب نہیں ہے۔

قضا نماز کے مسائل وہدایات

1۔ کسی مجبوری اور معذوری کے بغیر بلاوجہ نماز قضا کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کے لئے حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں' اگر غفلت اور بے شعوری میں کبھی ایسی کوتاہی ہو گئی ہو تو سچے دل سے توبہ کرنی چاہئے اور آئندہ کے لئے اپنے خدا سے اصلاح حال کا پختہ عہد کرنا چاہئے۔

2۔ اگر کسی واقعی عذر اور مجبوری کی وجہ سے کبھی نماز قضا ہو جائے تو اس کی قضا پڑھنے میں خواہ مخواہ ٹال مٹول نہ کرنا چاہئے' بلکہ جتنی جلد ممکن ہو قضا پڑھ لینی چاہئے۔

بلاوجہ تاخیر کرنا گناہ ہے اور پھر زندگی کا بھی کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ موقع نہ ملے اور آدمی اس حال میں خدا کے حضور ہو کہ اس کے سر یہ گناہ بھی ہو کہ موقع ملنے کے باوجود اس نے تاخیر کی اور قضا نماز نہ پڑھ سکا۔

3۔ اگر کسی وقت کئی افراد کی نماز قضا ہو جائے' مثلاً" اجتماعی سفر کے دوران وقت پر نماز ادا کرنے کا موقع نہ مل سکے یا خدانخواستہ کسی محلے میں کوئی حادثہ پیش آ جائے اور سارے لوگوں کی نماز قضا ہو جائے یا کچھ لوگ سوتے رہ جائیں اور سب کی نماز قضا ہو جائے تو اس صورت میں سب کو یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔ اگر سری نماز قضا ہو جائے تو قضا جماعت میں سری قرات ہونی چاہئے اور اگر جہری نماز قضا ہوئی ہو تو جہری قرات ہونی چاہئے۔

4۔ کسی اکیلے آدمی کی نماز کبھی قضا ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ وہ خاموشی سے گھر میں قضا پڑھ لے' اگر غفلت سے قضا ہوئی ہے تو یہ گناہ ہے اور گناہ کا لوگوں پر ظاہر کرنا خود گناہ ہے اور اگر کسی مجبوری سے قضا ہوئی ہے تب بھی لوگوں پر اس کا اظہار کرنا معیوب اور مکروہ ہے اگر مسجد میں بھی قضا پڑھے تو کوئی حرج نہیں لیکن لوگوں سے اس کا اظہار کرنا ٹھیک نہیں۔

5۔ قضا نماز پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے' جب بھی یاد آئے اور موقع ہو فوراً قضا پڑھ لینی چاہئے۔

ہاں اگر ممنوع یا مکروہ وقت میں یاد آئے تو انتظار کرنا چاہئے جب ممنوع یا مکروہ وقت نکل جائے اس وقت پڑھنی چاہئے۔

6۔ اگر کئی وقت کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں' تو ان کی قضا میں دیر نہ کی جائے بلکہ جہاں تک ہو سکے جلد ہی قضا پڑھ لینی چاہئے' اگر ہو سکے تو ایک ہی وقت میں ساری قضا نمازیں پڑھ لی جائیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عصر کی قضا عصر کے وقت ہی پڑھی جائے اور ظہر کی قضا ظہر کے وقت ہی پڑھی جائے' بلکہ جب موقع ملے ایک وقت میں کئی کئی نمازیں پڑھ کر اپنی قضا نمازیں پوری کر لینی چاہئیں۔

7۔ کسی غفلت شعار نے عرصے تک نماز نہیں پڑھی اور اسی طرح اس نے مہینے اور سال بے حسی اور بے عملی میں گزار دیئے پھر خدا نے اس کو توبہ کی توفیق بخشی' تو اس پر ان ساری نمازوں کی قضا واجب ہے جو توبہ کرنے سے پہلے قضا ہوئی ہیں۔

توبہ کرنے سے نماز نہ پڑھنے کا گناہ تو امید ہے کہ خدا معاف فرما دے لیکن جو نمازیں رہ گئی ہیں وہ معاف نہ ہوں گی ان کی قضا پڑھنا واجب ہے۔

8۔ اگر کسی کی مہینوں اور سالوں کی نمازیں قضا ہو گئی ہیں' تو اس کو چاہئے کہ وہ قضا شدہ نمازوں کا اندازہ کر کے قضا پڑھنا شروع کر دے اور اس صورت میں قضا پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس وقت کی قضا نماز پڑھنی چاہے اس وقت کا نام لے کر کہے میں اس وقت کی سب سے پہلی یا آخری نماز پڑھتا ہوں' مثلاً" قضا شدہ نمازوں میں سے فجر کی نماز قضا پڑھنا" چاہے تو کہے میں فجر کی سب سے پہلی یا سب سے آخری نماز قضا پڑھتا ہوں اور اسی طرح پڑھتا رہے یہاں تک کہ ساری نمازوں کی قضا پوری ہو جائے۔ (جاری ہے) (ماخوذ از آسان فقہ)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل' ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں' روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں' کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں؟

بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری" سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم' نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
☆ یوگا' ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟